معارف کا زرتعاون

ہندوستان میں سالانہ اسی روپے

پاکستان میں سالانہ دوسو روپے فی شمارہ سات روپے

دیگر ممالک میں سالانہ ہوائی ڈاک بیس پونڈ یا بتیس ڈالر

بحری ڈاک سات پونڈ یا گیارہ ڈالر

پاکستان میں ترسیل زر کا پتہ : حافظ محمد یحییٰ شیرستان بلڈنگ

بالمقابل ایس. ایم. کالج. اسٹریچن روڈ. کراچی

- سالانہ چندہ کی رقم منی آرڈر یا بینک ڈرافٹ کے ذریعہ بھیجیں. بینک ڈرافٹ درج ذیل نام سے بنوائیں

DARUL MUSANNEFIN SHIBLI ACADEMY
AZAMGARH

- رسالہ ہر ماہ کی ۱۵ تاریخ کو شائع ہوتا ہے. اگر کسی مہینہ کے آخر تک رسالہ نہ پہونچے تو اس کی اطلاع اگلے ماہ کے پہلے ہفتہ کے اندر دفتر میں ضرور پہونچ جانی چاہیے. اس کے بعد رسالہ بھیجنا ممکن نہ ہوگا.
- خط و کتابت کرتے وقت رسالہ کے لفافہ کے اوپر درج خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں.
- معارف کی ایجنسی کم از کم پانچ پرچوں کی خریداری پر دی جائے گی. کمیشن ۲۵٪ ہوگا. رقم پیشگی آنی چاہیے.

جلد ۱۶۵ ماہ صفر المظفر ۱۴۲۱ھ مطابق ماہ مئی ۲۰۰۰ء عدد ۵

فہرست مضامین

شذرات

ہندوستان پہلے جتنا ہی اپنی امن و انصاف پسندی، رواداری و فراخ دلی اور محبت و اخوت کے لئے نیک نام تھا اب اتنا ہی بدنام ہوتا جارہا ہے، ہم لاکھ اپنی عظمت اور بڑائی کے گن گائیں اور ملک کی ترقی اور خوشحالی کے بلند بانگ دعوے کریں لیکن آج ملک جس اخلاقی و روحانی بحران سے دوچار ہے اس سے اس کا وقار مجروح ہورہا ہے، انتشار اور بے اطمینانی کی اس فضا میں شریفوں کے دم گھٹ رہے ہیں، ملک کی جس ترقی اور خوشحالی کا غلغلہ مچا ہوا ہے اس سے خاص خاص اشخاص اور مخصوص طبقے ہی فیض یاب اور متمتع ہورہے ہیں، عام لوگوں کی حالت یہ ہے ؎

جو گزرتے ہیں داغ پر صدمے آپ بندہ نواز کیا جانیں

حکومت کی ساری مشنری، تمام محکمے اور دفاتر اپنی بدانتظامی، فرض ناشناسی اور نااہلی کی وجہ سے ملک کی رسوائی اور بدنامی کی علامت بنتے جارہے ہیں اور محکمہ پولیس کی بدعنوانیاں اور بے لگامیاں تو اضعافاً مضاعفہ ہیں، محافظوں اور امن و امان کے ذمہ داروں کے وحشیانہ افعال سے ملک کی ناک کٹتی اور خیر و صلاح پسند لوگوں کی گردنیں شرم سے جھکتی جارہی ہیں۔

مجرموں، خطاکاروں اور قتل و غارت گری کرنے والوں سے چشم پوشی اور مظلوموں، بے کسوں اور بے گناہوں پر ظلم ڈھانا پولیس کا شیوہ ہے، اس طبقہ کی سطح اتنی پست اور نیچی ہوگئی ہے کہ کسی بھلے آدمی کی عزت و آبرو و سلامت نہیں، جب چاہا برسرعام اسے ذلیل و خوار کردیا، جب عالم اسلام کی مایۂ ناز ہستی مولانا علی میاں کے گھر کی تلاشی اور ان کی سرپرستی میں چلنے والے بین الاقوامی ادارہ ندوۃ العلماء پر وہ شب خون مار سکتی ہے تو مولوی عتیق الرحمن کی تذلیل و توہین اور عام مدارس پر دھاوا بولنے میں اسے کیا تکلف ہوسکتا ہے۔ اس کی حرص و طمع اتنی بڑھ گئی ہے کہ مظلوم اور ستم رسیدہ شخص اگر تنگ دست اور محتاج ہو تو اس کا کام نہیں ہوسکتا، ان لوگوں میں تعصب اور فرقہ وارانہ زہر اس طرح سرایت کرگیا ہے کہ اقلیتیں برابر ان کی چیرہ دستی کا شکار رہتی ہیں، ان کو فرضی، جھوٹے اور بے بنیاد مقدمات

میں پھنسا کر سو طرح سے پریشان کیا جاتا ہے، فسادات میں اس کی طرف سے بلوائیوں کو لوٹ مار اور قتل و غارت گری کی مکمل چھوٹ ملی رہتی ہے اور کرفیو میں خود پولیس اقلیتوں پر مظالم ڈھاتی، ان کے مال و اسباب لوٹتی اور ان کی عزت و آبرو سے کھلواڑ کرتی ہے۔

۱۰؍اپریل کو جامعہ ملیہ اسلامیہ میں پولیس کی دہشت گردی اس کی درندگی، خباثت، ظلم و زیادتی اور اقلیت دشمنی کا تازہ شاہکار ہے، اسے دو مجرموں کی تلاش تھی جو اطلاعات کے مطابق جامعہ کے طالب علم نہیں تھے لیکن کہا جاتا ہے کہ ان کو پکڑنے کے لئے پولیس وائس چانسلر کی اجازت کے بغیر جامعہ کیمپس میں داخل ہوگئی اور جب کچھ طلبہ کی مزاحمت کی وجہ سے اسے کامیابی نہیں ملی تو دوبارہ وہ ہزار بارہ سو کی تعداد میں آکر جامعہ کے طلبہ پر اس طرح حملہ آور ہوئی جیسے کسی دشمن ملک کی فوج پر حملہ کررہی ہو، طلبہ امتحانات کی تیاری اور لائبریری اور ہاسٹل میں پڑھنے میں مصروف تھے، ان دونوں میں گھس کر طلبہ کو گھسیٹ کر مارا، بعض کے ہاتھ پیر توڑ دیئے، بعض کو تیسری منزل سے نیچے گرادیا، متعدد طلبہ بے ہوش ہوگئے، داڑھی والوں کی داڑھیاں نوچیں اور انہیں آئی۔ ایس۔ آئی کا ایجنٹ کہا، طلبہ کے مال و اسباب بھی لوٹے، توڑ پھوڑ کرکے ان کے اور جامعہ کے املاک کو نقصان پہنچایا، ہاسٹل کے پرووسٹ اور لائبریری کے اسٹاف پر بھی دست ستم دراز کیا، مسجد کی بے حرمتی کی اور امام سمیت نمازیوں کو بھی نہ بخشا، سیکڑوں طلبہ کو گرفتار کیا جن کو حراست میں بھی پولیس کی بربریت اور چنگیزیت کا سامنا کرنا پڑا، پھر جھوٹے اور غلط مقدمات عائد کرکے تہاڑ جیل بھیج دیا، غرض جو ظلم و تشدد غنڈوں، ڈاکوؤں اور جرائم پیشہ لوگوں پر بھی نہیں کیا جاتا وہ جامعہ ملیہ اسلامیہ جیسی عظیم الشان قومی تعلیم گاہ کے طلبہ پر کیا گیا۔

جامعہ ملیہ اسلامیہ کی تاریخ خلافت و ترک موالات کی تحریک اور جنگ آزادی سے جڑی ہوئی ہے، گاندھی جی نے انگریزوں کے خلاف نان کوآپریشن کی جب تحریک چلائی تو آزادی کے متوالے طلبہ و اساتذہ نے سرکاری تعلیمی اداروں کا بائیکاٹ کرکے سودیشی درسگاہوں میں داخلہ لیا، مولانا محمد علی اور دوسرے قومی رہنماؤں کی اپیل پر جن طلبہ نے علی گڑھ کو خیرباد کہا ان کی تعلیم کے لئے وہیں جامعہ ملیہ اسلامیہ قائم کی گئی جو بعد میں دہلی منتقل ہوئی۔

اس قومی درسگاہ کا سنگ بنیاد رکھنے کے لئے شیخ الهند مولانا محمود حسنؒ اپنے بستر علالت سے تشریف لائے تھے اور ان کا درد و اخلاص سے بھرا خطبہ ان کے شاگرد رشید مولانا شبیر احمد عثمانی نے پڑھا تھا مولانا محمد علی، حکیم اجمل خاں اور ڈاکٹر ذاکر حسین خاں وغیرہ نے اسے اپنے خون جگر سے سینچ کر پروان چڑھایا مگر آزادی کے بعد یہ قومی درسگاہ فرقہ پرستوں کی نظر میں کھٹک رہی ہے، اس کے طلبہ پر یہ پولیس ایکشن اسی سلسلے کی کڑی ہے جس کا کوئی قانونی جواز نہ تھا، عجیب بات ہے کہ جامعہ ملیہ اسلامیہ کی حب الوطنی پر ان لوگوں کی طرف سے شکوک ظاہر کئے جارہے ہیں جو جامعہ کی تاسیس کے وقت انگریزی سامراج کا دفاع کر رہے تھے۔

پولیس کے اس وحشیانہ اقدام سے جامعہ اور اس کے طلبہ سے زیادہ ملک کی رسوائی اور بے عزتی اور حکومت کی بدنامی ہوئی ہے اس لئے ارباب حکومت اور خاص طور پر مرکزی وزیر داخلہ کو پولیس کے آئے دن کے ان ناروا مظالم کا سدباب کرنا چاہئے، پولیس کی گندہ ذہنیت، اقلیتوں کو ہراساں کرنے اور اس کے تعصب پر مبنی رویے کی اصلاح کرنی چاہئے، دہلی پولیس تو براہ راست مرکزی وزارت داخلہ ہی کے ماتحت ہے، جامعہ کے تعلق سے اس کا صریح ظلم اور کھلی زیادتی طشت از بام ہو چکی ہے، اب بھی اگر حکومت ان کو سزا اور مظلوموں کی دادرسی نہیں کرتی تو لوگ اس کے متعلق یہ رائے قائم کرنے پر مجبور ہوں گے کہ اس کا کردار صاف ستھرا اور اقلیتوں کے معاملے میں منصفانہ نہیں ہے، وہ قومی اتحاد اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی کے بجائے ملک کے مختلف فرقوں میں نفرت اور فرقہ پرستی کا زہر گھول رہی ہے جس سے ملک کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے۔ جامعہ کے طلبہ، اسٹاف اور دوسرے مسلم اداروں کو بھی اس طرح کے اشتعال انگیز موقعوں پر ضبط و تحمل کا دامن نہیں چھوڑنا چاہئے، پولیس، حکومت اور وائس چانسلر کے رویے کو نظر انداز کر کے ایسے اقدامات سے باز رہیں جن سے فرقہ پرستوں کو کھل کھیلنے کا موقع ملے، ہوش مندی اور تدبر سے کام لیں تاکہ ان کی قوم و ملت کا نقصان ہو اور نہ ملک و وطن پر کوئی آنچ آئے۔

مقالات

تجرباتی علوم قرآن کی نظر میں اور جدید علم کلام کا ایک خاکہ

از مولانا محمد شہاب الدین ندوی*

قرآن حکیم قیامت تک ہر دور کے لئے ایک معجزہ ہے جو علوم و معارف سے لبریز ایک حیرت انگیز کتاب ہے۔ چنانچہ اس کی ہدایت و رہنمائی کے نئے نئے پہلو ہر دور میں ظاہر ہوتے رہے ہیں جو گمراہ انسانوں کو راہ راست پر لانے کی غرض سے اس صحیفۂ حکمت میں ودیعت کر دئے گئے ہیں اور موجودہ دور میں جدید علوم و فنون کے تعلق سے اس کتاب عظیم کے علمی حقایق کھل کر سامنے آگئے ہیں جو اس کے من جانب اللہ ہونے پر دلیل ناطق ہیں۔ مگر جدید علوم و فنون کے تعلق سے ہمارا دین دار طبقہ بعض غلط فہمیوں میں مبتلا ہے۔ چنانچہ بعض لوگ سائنسی یا تجرباتی علوم کو دین میں حجت نہیں مانتے اور اس غلط فہمی کی وجہ یہ ہے کہ وہ ان علوم کو تغیر پذیر نظریات کا مجموعہ قرار دیتے ہیں اور اس سلسلے میں دین دار طبقے کی ایک دوسری غلط فہمی یہ ہے کہ چونکہ قرآن مجید کتاب ہدایت ہے اس لئے اسے "علوم و فنون" سے کوئی سروکار نہ ہونا چاہئے۔ تو یہ ہدایت کا نہ صرف ایک محدود مفہوم ہے بلکہ وہ قرآنی نظریہ اور اس کے

---

* جنرل سکریٹری فرقانیہ اکیڈمی ٹرسٹ و چیرمین دار الشریعہ، بنگلور۔ ۲۹۔

مقاصد سے بھی میل نہیں کھاتا۔ کیونکہ خود قرآنِ عظیم اس محدود مفہوم کی تردید کرتے ہوئے ہدایت کا ایک وسیع مفہوم پیش کرتا ہے۔ چنانچہ اس مضمون میں ہدایت کے قرآنی مفہوم اور علم انسانی کے حجت ہونے پر خود قرآن عظیم سے واضح اور مسکت دلائل پیش کئے گئے ہیں اور اس میں موجودہ دور کے تعلق سے علماء کی ذمہ داریوں پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے کہ وہ قرآنی ہدایت کے مطابق ہر دور میں نوع انسانی کی صحیح صحیح رہنمائی کریں۔

علوم و فنون کے تعلق سے ہر دور کا ایک مخصوص ذہنی و عقلی مزاج ہوتا ہے، جس کے مطابق خدائی ہدایت ضروری ہوتی ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم ہر دور کے اس ذہنی یا فلسفیانہ مزاج کے مطابق رہنمائی کرنے کی صلاحیت بدرجۂ اتم اپنے اندر رکھتا ہے لہٰذا علماء کا فرض ہے کہ وہ عصری ذہنیت کے مطابق قرآنِ حکیم میں غور و خوض کر کے اس کی ہدایت و رہنمائی کے نئے نئے پہلو واضح کریں، جس کے نتیجے میں ایک نیا علم وجود میں آئے گا جو "جدید علم کلام" کہلائے گا۔ جدید علم کلام کا مطلب یہ ہے کہ قرآنِ عظیم میں صحیفۂ کائنات سے متعلق جو حقایق یا علمی اشارات مذکور ہیں انہیں جدید اکتشافات کی روشنی میں واضح کر کے خدائی ہدایت و رہنمائی کے پہلو نمایاں کئے جائیں، تاکہ عصرِ جدید پر حجت پوری ہو جائے۔

لہٰذا علمائے کرام کو پوری سنجیدگی کے ساتھ اس مسئلے میں غور و خوض کرنا چاہئے اگر علماء اس میدان میں آگے بڑھیں تو علمی و فکری دنیا میں ایک عظیم انقلاب آ سکتا ہے۔

قرآن ہر دور کے لئے رہنما

قرآن مجید ساری نوع انسانی کے لئے نامۂ ہدایت ہے۔ اور وہ قیامت تک ہر دور کے لئے ہادی و رہنما رہے گا، اس کی تعلیمات لازوال اور

سدا بہار ہیں جو ہر دور کی عقلیت و ذہنیت کو مطمئن کر سکتی ہیں۔ اسی لئے اس میں عصری تقاضوں کے مطابق عقلی و منطقی اور سائنٹفک ہر قسم کے دلائل ودیعت کر دئے گئے ہیں، تاکہ وہ ہمیشہ اپنا رہبرانہ حصہ بخوبی ادا کرتا رہے۔

موجودہ دور چونکہ سائنسی دور کہلاتا ہے اس لئے آج کے دور میں قرآن مجید سائنسی اعتبار سے بھی انسان کی ہدایت و رہنمائی کرنے میں پیچھے دکھائی نہیں دیتا، بلکہ وہ موجودہ بھٹکے ہوئے انسان کو صحیح راستہ دکھانے کی راہ میں ایک منارۂ نور کی حیثیت رکھتا ہے۔ انسانی ذہن کو بدلنے اور اسے آمادۂ عمل کرنے کے لئے سب سے پہلے اس کے ذہن کی دھلائی ضروری ہے۔ یعنی اس کے غلط افکار و نظریات اور اس کے منحرفانہ رجحانات کو بدلائل نادرست و ناروا ثابت کر کے اس کے سامنے صحیح بات رکھی جائے اور علمی و عقلی نقطۂ نظر سے اس کے شکوک و شبہات دور کر کے راہِ حق واضح کی جائے۔

اسی بنا پر قرآنِ حکیم میں عقلی و علمی ہر قسم کے دلائل سموئے گئے ہیں۔ جیسا کہ ارشادِ باری ہے:

هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ — (یہ قرآن) تمام لوگوں کے لئے ہدایت ہے

مِّنَ الْهُدَىٰ وَالْفُرْقَانِ۔ — اس میں ہدایت کے واضح دلائل موجود

(بقرہ: ۱۸۵) — ہیں اور وہ حق و باطل میں فرق کرنے والا ہے

ہدایت کا وسیع مفہوم

آیت شریفہ میں "اَلنَّاس" سے مراد پوری نوعِ انسانی ہے بَیِّنَات سے مراد واضح دلائل ہیں، یعنی ہر قسم کے عقلی و علمی دلائل اور پھر اس موقع پر قرآن کو فرقان بھی کہا گیا ہے یعنی حق و باطل میں تمیز کرنے والا۔ اس اعتبار سے قرآن عظیم کی تین خصوصیتیں بیان کی گئی ہیں: (۱) وہ پوری نوعِ انسانی کے لئے ہدایت ہے (۲) اس میں ہدایت

کے دلائل موجود ہیں (۳) اور وہ حق اور باطل میں فرق و امتیاز کرنے والا ہے یعنی اس کے مضبوط و مستحکم دلائل حق و باطل میں فیصلہ کن طور پر فرق کرنے والے ہیں۔

اس اعتبار سے یہاں پر ہدایت کا اصل مفہوم واضح ہوتا ہے جو بہت وسیع ہے، جب کہ عام طور پر "ہدایت" سے مراد صرف شرعی احکام و مسائل سمجھا جاتا ہے مگر کلام الٰہی نے "بَیِّنٰتٍ مِّنَ الْھُدٰی" کے الفاظ لاکر صاف کر دیا ہے کہ اس کے علمی و عقلی دلائل ہی اصل ہدایت ہیں۔ دیکھئے حسب ذیل آیات کریمہ میں اس اصول کی تفصیل کس طرح بیان کی گئی ہے:

لَقَدْ اَنْزَلْنَا اٰیٰتٍ مُّبَیِّنٰتٍ وَاللّٰہُ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ۔ (نور: ۴۶)	ہم نے کھلے کھلے دلائل نازل کر دئے ہیں اور اللہ جس کو چاہتا ہے صراط مستقیم کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔
وَکَذٰلِکَ اَنْزَلْنٰہُ اٰیٰتٍ بَیِّنٰتٍ وَّاَنَّ اللّٰہَ یَھْدِیْ مَنْ یُّرِیْدُ۔ (حج: ۱۶)	اور اسی طرح ہم نے اس قرآن کو واضح دلائل کے ساتھ اتارا ہے اور اللہ اسی کو ہدایت دیتا ہے جو (ہدایت) چاہنے والا بھی ہو۔

اس موقع پر یہ حقیقت بھی پیش نظر رہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی تصریح کے مطابق قرآن حکیم کے پانچوں علوم نوع انسانی کی ہدایت کے لئے نازل ہوئے ہیں اور یہ حقیقت قرآن کے اعجاز میں شامل ہے جو صرف شرائع الٰہیہ کے اسرار میں غور و فکر کرنے والوں پر ہی ظاہر ہو سکتی ہے۔ موصوف کے الفاظ یہ ہیں:

"ومن جملۃ وجوہ الاعجاز مالا یتیسر فہمہ لغیر المتدبرین فی

اسرار الشرائع، وذلک ان العلوم الخمسۃ نفسہا تدل علی ان القرآن نازل من عند اللہ لھدایۃ بنی آدم"[1]

واضح رہے موصوف کے نزدیک قرآن کے "علوم خمسہ" میں "علم مخاصمہ" یا علم مباحثہ بھی شامل ہے جو یہود و نصاریٰ اور کفار و مشرکین کے ساتھ کیا گیا ہے اور اس علم میں وہ تمام فرقے اور مادی فلسفے وغیرہ بھی شامل ہو سکتے ہیں جو خدا اور یوم آخرت کے منکر ہوں۔ اس اعتبار سے یہ علم کفار و مشرکین کے ساتھ ساتھ الحاد و لادینیت کے رد و ابطال کے لئے بھی بہت اہم ہے۔

آیات بینات کیا ہیں؟ اس موقع پر ہم کو لفظ آیات کے لغوی مفہوم پر بھی ایک نظر ڈال لینی چاہئے۔ یہ لفظ "آیت" کی جمع ہے، جس کے حسب ذیل معانی بیان کئے گئے ہیں (۱) واضح علامت (۲) معجزہ (۳) عبرت (۴) قرآنی آیت (۵) قرآنی احکام و مضامین[2]۔

قرآن مجید میں یہ لفظ معنائے اول کے لئے بکثرت بولا گیا ہے اور ان مقامات میں اس سے مراد نظام فطرت کی وہ واضح علامات یا نشانیاں ہیں جو عقلی و منطقی دلائل بننے کی استعداد رکھتی ہیں اور یہ علامات و نشانات یا علمی و عقلی دلائل دنیا کی ہر مادی چیز اور ہر مظہر فطرت میں ودیعت کر دئے گئے ہیں تاکہ ان کے ذریعہ منکرین حق کی ہدایت و رہنمائی ہو سکے یا انکار کی صورت میں ان پر اتمام حجت ہو جائے۔

موجودہ دور میں انسان چونکہ مادیات کی دنیا میں کھو کر خدا سے غافل ہو گیا ہے اور مادہ ہی کو سب کچھ قرار دیتے ہوئے اپنے خالق و مالک کا انکار کر رہا ہے اس لئے اس کے ذہن و فکر کو بدلنے اور اس کو راہ راست پر لانے کی غرض سے اسے مظاہر کائنات میں غور و خوض کرنے اور ان کے نظاموں کو سمجھنے اور پھر ان کے منطقی نتائج

سے آگاہ ہو کر اپنے رویہ کو درست کرنے کی دعوت دی گئی ہے اور اس قسم کی دعوت وہی ہستی دے سکتی ہے جس نے ان مظاہر میں اپنے وجود اور اپنی خلاقیت کی نشانیاں رکھ چھوڑی ہوں۔ دیکھئے حسب ذیل آیات میں انسان کو کتنے پُرزور طریقے سے یہ دعوت فکر دی گئی ہے۔

وَفِی الْاَرْضِ اٰیٰتٌ لِّلْمُوْقِنِیْنَ ۔ وَفِیْۤ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۔ (ذاریات: ۲۰-۲۱)

یقین کرنے والوں کے لئے زمین میں بہت سی نشانیاں موجود ہیں اور خود تمہاری اپنی ہستیوں (جسمانی نظاموں) میں بھی، کیا تم کو نظر نہیں آتا؟

اِنَّ فِی اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَّقُوْنَ (یونس: ۶)

دن رات کے ہیر پھیر میں اور جو کچھ اللہ نے زمین اور آسمانوں میں پیدا کر رکھا ہے ان سب چیزوں میں ڈرنے والوں کے لئے بہت سی نشانیاں موجود ہیں۔

نظام فطرت اور علماء اب سوال یہ ہے کہ مظاہر عالم یا نظام فطرت میں موجود خدا کی ان نشانیوں یا دلائل ربوبیت کو نمایاں کر کے عالم انسانی کی ہدایت و رہنمائی کا فریضہ انجام دینا کس کا ذمہ ہے؟ تو صاف ظاہر ہے کہ یہ شرعی فریضہ علماء اور مفسرین پر عائد ہوتا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری ہے:

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ الَّذِیْنَ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِهِمْ

زمین اور آسمانوں کی تخلیق اور دن رات کے ہیر پھیر میں ان دانشمندوں کے لئے یقیناً بہت سی نشانیاں موجود ہیں جو اللہ کو کھڑے بیٹھے اور پہلو کے بل یاد کرتے

وَیَتَفَكَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ (آل عمران: ۱۹۰و۱۹۱)

اور زمین و آسمانوں کی ہیئت میں غور وفکر کرتے رہتے ہیں (جس کے نتیجے میں وہ کہنے لگ جاتے ہیں کہ) اے ہمارے رب تو نے یہ سب کچھ بے کار نہیں پیدا کیا ہے۔ تو پاک ہے (اس قسم کے بے کاری کے مشغلے سے) لہذا تو ہمیں (آخرت کے) عذاب سے بچالے۔

یہ بہت اہم ترین آیات ہیں جو علمائے اسلام کی ایک بھاری ذمہ داری پر روشنی ڈال رہی ہیں۔ چنانچہ ان آیات میں تین باتیں مذکور ہیں جو یہ ہیں:

۱۔ زمین اور آسمانوں کی خلقت وہیئت وغیرہ میں غور وفکر کر کے "آیات" یعنی نظام فطرت کے اشارات کا استنباط دلائل ربوبیت کے طور پر کرنا پختہ عقل والوں کا کام ہے۔

۲۔ یہ پختہ عقل والے یا اہل دانش وہ لوگ ہیں جو ہمیشہ اللہ کی یاد میں لگے ہوئے ہوں۔ اس سے مراد سوائے علماء کے اور کون ہو سکتا ہے۔

۳۔ چنانچہ علماء جب مظاہر کائنات اور ان کے نظاموں میں غور وخوض کرتے ہیں تو پھر اس کے منطقی نتیجے کے طور پر یہ حقیقت ان کے سامنے آتی ہے کہ یہ سارا سلسلۂ وجود بے کار اور بے مقصد نہیں ہے۔ بلکہ ان مظاہر میں قدم قدم پر نظم وضبط، حکمت ومصلحت اور ایک عظیم تر مقصد کا مظاہرہ دکھائی دے رہا ہے، جو اس کے ایک خالق و مدبر کی موجودگی

پر دلالت کر رہا ہے۔

اس اعتبار سے قرآنی منشا و مقصد کے مطابق نظام فطرت میں غور کر کے آیات الٰہی یا دلائل ربوبیت کا استنباط کرنا اور پھر مظاہر کائنات کے ان اسباق و بصائر سے نوع انسانی کو آگاہ کر کے انہیں خدا پرستی کی دعوت دینا اصلاً علماء کی ذمہ داری ہے اور یہ کام سوائے علمائے اسلام کے اور کوئی کر نہیں سکتا۔ کیونکہ منکرین حق نہ تو خدا کو مانتے ہیں اور نہ ہی خدائی صحیفے کو خاطر میں لاتے ہیں۔ اب رہے نظام فطرت کے اشارے یا خدائی نشانیاں تو وہ ان پر سے آنکھیں بند کر کے گزر جاتے ہیں۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے:

وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ	زمین اور آسمانوں میں کتنی ہی نشانیاں
وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ	ایسی ہیں جن پر سے یہ لوگ آنکھیں بند
عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ (یوسف: ۱۰۵)	کر کے گزر جاتے ہیں۔

قرآن حکیم کا اصل منصب یہ ہے کہ وہ سارے جہاں کی تنبیہ و انتباہ کے لئے نازل ہوا ہے۔ لہٰذا اس میں ہر قسم کے علمی و عقلی دلائل موجود ہیں۔ اسی وجہ سے فرمایا گیا ہے:

تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ	بڑا ہی بابرکت ہے وہ جس نے اپنے
عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ	بندے پر فرقان نازل کیا تاکہ وہ سارے
نَذِيْرًا۔ (فرقان: ۱)	جہاں کو متنبہ کر سکے۔

اب ظاہر ہے کہ قرآن کی ان تنبیہات کو اجاگر کرنا علمائے اسلام ہی کی ذمہ داری ہے۔

قرآنی نظام دلائل سے اعراض مگر آج کل علمی حلقوں میں اس موضوع کے تعلق سے بہت سی غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں اور بعض حلقے سائنسی علوم کو سرے سے قابلِ حجت نہیں مانتے۔ ان کا کہنا ہے کہ "سائنسی علوم چونکہ تغیر پذیر ہیں اس لئے ان سے استدلال کرنا

صحیح نہیں ہو سکتا"۔ مگر یہ ایک مہمل قسم کا شبہ ہے جو قرآن عظیم کو جھٹلانے کے برابر ہے۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کی کوئی بھی جسارت قرآنی "نظام ہدایت" یا اس کے "نظام دلائل" کو درہم برہم کرنے کے مترادف ہے۔ حالانکہ اسلام کا امتیاز و تفوق دیگر ادیان و مذاہب پر اس کے علمی و عقلی دلائل ہی کی بنا پر قائم ہے اور یہ تفوق مادی نظریات اور اس کے فلسفوں پر بھی مطلوب ہے۔ اسی وجہ سے قرآن حکیم کو ہر دور کے تقاضوں کے مطابق کیل کانٹے سے پوری طرح لیس کر دیا گیا ہے اور اس سلسلے میں خدائے علیم و خبیر کی دلیل و حجت ہی ہر دور میں غالب رہے گی۔ چنانچہ ارشاد باری ہے:

هُوَ الَّذِيْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى	وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت
وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ	اور سچا دین دے کر بھیجا تاکہ اسے تمام
كُلِّهٖ (توبہ: ۳۳، فتح: ۲۸، صف: ۹)	ادیان پر غالب کر دے۔
هُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ عَلٰى عَبْدِهٖٓ اٰيٰتٍ	وہی ہے جو اپنے بندے پر کھلی کھلی نشانیاں
بَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ	اتار رہا ہے تاکہ وہ تمہیں تاریکیوں سے
اِلَى النُّوْرِ (حدید: ۹)	نکال کر روشنی کی طرف لے آئے۔
قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ۔	کہہ دو کہ اللہ ہی کی دلیل (اپنی غایت
(انعام: ۱۴۹)	تک) پہنچنے والی ہوگی۔

اس سلسلے میں ایک سوال یہ ہے کہ قرآن عظیم میں نظام فطرت سے بحث کیوں کی گئی ہے؟ کیا محض اس کی آرائش و زیبائش کے لئے؟ یا پھر نوع انسانی کی ہدایت و رہنمائی کے لیے؟ ظاہر ہے کہ اوپر مذکور تمام آیات کریمہ اس منفی رویہ کی کھل کر تکذیب کر رہی ہیں اور اس قسم کا منفی رویہ قرآن حکیم سے اعراض ہی نہیں بلکہ اسے مہمل قرار دینے کے برابر ہے۔ معاذ اللہ۔

انسانی مشاہدات و تجربات قابل حجت

قرآن حکیم میں اس قسم کی کوئی بات یا ادنیٰ درجے کا اشارہ تک موجود نہیں ہے کہ انسانی علم قابلِ حجت نہیں ہو سکتا، تجرباتی علوم سے بے اعتباری ظاہر کرنے والوں کو اپنے نقطۂ نظر کی صحت پر قرآنی نصوص سے استدلال کرنا چاہئے مگر وہ اپنے دعوے کی صحت پر قرآن سے کوئی دلیل پیش نہیں کر سکتے، سوائے چند عقلی قسم کے شبہات کے، مگر اس قسم کے مہمل شبہات قرآن حکیم کے واضح اور لاتعداد نصوص کے مقابلے میں ناقابلِ التفات ہیں جو اس کلام حکمت کو جھٹلانے کے برابر ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ قرآن عظیم اول سے لے کر آخر تک ہر جگہ انسان کو متعدد اسالیب میں نظام کائنات میں غور و خوض کر کے اس سے عقلی و منطقی نتائج اخذ کرنے کی پُرزور دعوت دیتا ہے اور مظاہرِ فطرت کے نظاموں کو نظر انداز کرنے والوں کی سخت الفاظ میں مذمت کرتا ہے۔ اگر انسانی علم یا اس کے تجربات و مشاہدات قابل حجت نہ ہوں تو پھر قرآن کی ان واضح ہدایات کا مقصد اور ان کی قدر و قیمت کیا ہے؟ صاف ظاہر ہے کہ ہم محض ایک "عقلی احتمال" کا سہارا لے کر خداوند قدوس کے حکم سے سرتابی نہیں کر سکتے۔ اس کے برعکس انسانی علم کے قابل حجت ہونے پر کلام الٰہی میں بہت سی آیتیں موجود ہیں مگر اس موقع پر بطور مثال صرف ایک آیت پیش کی جاتی ہے جو اس سلسلے میں دلیل ناطق ہے:

اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا فِيْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ وَّاَنْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُهُمْ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ (اعراف: ۱۸۵)

کیا ان لوگوں نے زمین اور آسمانوں کی سلطنت اور اللہ نے (ان میں) جو چیزیں پیدا کر رکھی ہیں ان پر نظر نہیں ڈالی؟ (ان کے اس اعراض کے باعث) ہو سکتا ہے کہ ان کا وقت قریب آچکا ہو۔ تو پھر

قرآن کے بعد آخر وہ کس چیز پر ایمان لائیں گے؟

قرآن عظیم میں یہ سب سے زیادہ سخت آیت ہے جو مظاہر فطرت اور ان کے نظاموں سے اعراض کرنے والوں کے لئے ایک وعید کا درجہ رکھتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ انسانی علم اور اس کے مشاہدات خدائے علیم و خبیر کی نظر میں معتبر اور قابل حجت ہیں اور اس کا انکار وہی کر سکتا ہے جس کا قرآن حکیم پر ایمان نہ ہو۔ ہمارے لئے تو خدائے عزوجل ہی کی بات آخری سند کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کے مقابلے میں دوسرے اقوال دیوار پر دے مارنے کے قابل ہیں۔

بہرحال اس موقع پر زمین و آسمان کی بادشاہت میں "نظر ڈالنے" سے مراد اس کو محض ایک گائے کی طرح گھورنا نہیں بلکہ دنیائے موجودات میں نگاہ عبرت و بصیرت ڈال کر ان کی خلقت و ماہیت پر غور کرنا اور ان میں موجود خدائے حکیم کی نشانیاں تلاش کرنا ہے۔ چنانچہ لفظ "نظر" کے لغوی مفہوم پر مزید بحث آگے آرہی ہے۔ خلاصہ یہ کہ یہ اور اس قسم کی دیگر آیات اس بات کی قطعی دلیل ہیں کہ اللہ کے نزدیک انسانی مشاہدات و تجربات معتبر ہیں۔ ورنہ وہ نظام کائنات کے دلائل و براہین کو نظر انداز کرنے والوں کی اتنے سخت الفاظ میں مذمت ہرگز نہ کرتا۔

واضح رہے انسانی تجربات و مشاہدات کا دارو مدار محسوسات (حواس خمسہ) پر ہے اور محسوسات میں سُننے اور دیکھنے کو زیادہ اہمیت حاصل ہے جو حصول علم کے ذرائع ہیں اور حصول علم کا ایک اور ذریعہ عقل و قیاس سے کام لینا بھی ہے۔ چنانچہ قسم اول کو قرآن مجید میں "سمع و بصر" اور قسم ثانی کو "فواد" کے الفاظ سے موسوم کیا گیا ہے۔[1]

اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ

یقیناً کان، آنکھ اور دل سب سے

اُولٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا۔	باز پرس ہوگی۔
(بنی اسرائیل: ۳۶)	

چنانچہ انسان کے مشاہدات و تجربات اور اس کے قیاسات و استنباطات (محسوسات و معقولات) پر گرفت کے سلسلے میں جو مختلف آیات کلام الٰہی میں وارد ہوئی ہیں ان میں سے ایک سخت ترین آیت حسب ذیل بھی ہے:

وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا	اور ہم نے دوزخ کے لئے بہت سے
مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ لَهُمْ قُلُوبٌ	جن اور انسان پیدا کئے ہیں جن کے
لَا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ	دل تو ہیں مگر وہ ان سے سمجھتے نہیں،
لَا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ	ان کی آنکھیں تو ہیں مگر وہ ان سے
لَا يَسْمَعُونَ بِهَا أُولٰئِكَ	دیکھتے نہیں اور ان کے کان تو ہیں
كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ أُولٰئِكَ	مگر وہ ان سے سنتے نہیں۔ تو یہ لوگ
هُمُ الْغَافِلُونَ۔	چوپاؤں کی طرح ہیں، بلکہ ان سے بھی
(اعراف: ۱۷۹)	زیادہ گئے گزرے۔ یہی لوگ غفلت
	میں پڑے ہوئے ہیں۔

اولوالالباب کون ہیں؟ پچھلے صفحات میں سورۂ آل عمران کی آیت نمبر ۱۹۰ اور ۱۹۱ میں "اولوالالباب" کے الفاظ زیر بحث آئے تھے، یعنی پختہ عقل والے لوگ۔ یہ لوگ کون ہیں اور ان کا منصب کیا ہے؟ اس پر مزید بحث کی جاتی ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں یہ الفاظ کل ۱۶ مقامات میں مذکور ہیں اور تقریباً ہر جگہ اس خطاب سے ان پختہ فکر علماء کو نوازا گیا ہے جو قرآن حکیم کی آیات اور احکام الٰہی کی حکمتوں اور مصلحتوں پر غور کرنے اور ان میں

ودیعت شدہ اسباق و بصائر سے نوع انسانی کو متنبہ کرنے والے ہوں مثلاً:

هٰذَا بَلَاغٌ لِلنَّاسِ وَلِيُنْذَرُوا	یہ قرآن تمام لوگوں کے لئے ایک پیغام
بِهِ وَلِيَعْلَمُوا أَنَّمَا هُوَ إِلٰهٌ	ہے تاکہ اس کے ذریعہ ان سب کو ڈرایا
وَاحِدٌ وَلِيَذَّكَّرَ أُولُو الْأَلْبَابِ	جاسکے اور وہ جان لیں کہ (اس کائنات
(ابراہیم: ۵۲)	میں) صرف ایک ہی معبود ہے اور پختہ
	عقل والے (اس کے اعلیٰ مضامین پر)
	متنبہ ہوسکیں۔

اور دو مقامات میں اس خطاب سے ان علماء کو سرفراز کیا گیا ہے جو نظام کائنات میں غور کرکے خدائی نشانات یا دلائل ربوبیت کا استنباط کرنے والے ہوں۔ ان میں سے ایک مقام وہ ہے جس کا تذکرہ اوپر مذکور سورۂ آل عمران کی آیات کے تحت گزر چکا ہے اور دوسرا مقام حسب ذیل ہے:

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللّٰهَ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ	(اے مخاطب) کیا تو نے مشاہدہ نہیں
مَاءً فَسَلَكَهُ يَنَابِيعَ فِي الْأَرْضِ	کیا کہ اللہ نے آسمان سے پانی برسایا
ثُمَّ يُخْرِجُ بِهِ زَرْعًا مُخْتَلِفًا	اور اسے چشموں کی شکل میں زمین میں
أَلْوَانُهُ ثُمَّ يَهِيجُ فَتَرَاهُ	چلا دیا پھر وہ اس پانی سے مختلف رنگوں
مُصْفَرًّا ثُمَّ يَجْعَلُهُ حُطَامًا	کی کھیتیاں نکالتا ہے، پھر وہ خشک
إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَذِكْرَىٰ لِأُولِي	ہوجاتی ہیں تو تم اس کو زرد شدہ
الْأَلْبَابِ (زمر: ۲۱)	دیکھتے ہو۔ پھر وہ اسے ریزہ ریزہ
	کردیتا ہے۔ یقیناً اس میں پختہ عقل

والوں کے لئے ایک بہت بڑی تذکیر
(چونکا دینے والی چیز) موجود ہے۔

رویت و مشاہدہ قرآن کی نظر اوپر مذکور آیت میں خطاب "اَلَمْ تَرَ" کے الفاظ کے ذریعہ ہے جو رویت و مشاہدہ پر دلالت کر رہی ہے اور اس اسلوب سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ انسانی رویت و مشاہدہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک قابل استدلال ہے اور یہی حقیقت حسب ذیل آیات سے بھی ثابت ہوتی ہے؛

اَفَلَا یَنْظُرُوْنَ اِلَی الْاِبِلِ کَیْفَ خُلِقَتْ وَاِلَی السَّمَاءِ کَیْفَ رُفِعَتْ وَاِلَی الْجِبَالِ کَیْفَ نُصِبَتْ وَاِلَی الْاَرْضِ کَیْفَ سُطِحَتْ۔ (غاشیہ: ۱۷-۲۰)	کیا یہ لوگ اونٹوں کو نہیں دیکھتے کہ ان کی خلقت کس طرح (عجیب و غریب طور پر) ہوئی ہے؟ اور آسمان کو کس طرح اونچا اٹھایا گیا ہے؟ پہاڑ کس طرح (زمین میں مضبوطی کے ساتھ) دھنسائے گئے ہیں؟ اور زمین کس طرح (اس کی پوری گولائی میں) پھیلا دی گئی ہے؟
اَفَلَمْ یَنْظُرُوْا اِلَی السَّمَاءِ فَوْقَهُمْ کَیْفَ بَنَیْنٰهَا وَزَیَّنّٰهَا وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ۔ (ق: ۶)	کیا انہوں نے اپنے اوپر موجود آسمان کو غور سے نہیں دیکھا کہ ہم نے اس کو کس طرح بنایا اور اسے آراستہ کر دیا؟ چنانچہ اس میں کسی قسم کا شگاف نہیں ہے؟

اس قسم کی اور بھی بہت سی آیتیں موجود ہیں، جن میں لفظ "رویت" یا "نظر" استعمال کیا گیا ہے۔ ان دونوں الفاظ کے معنی و مفہوم میں کچھ فرق ہے، لفظ رویت بسا اوقات ماضی کے

واقعات کے لئے بھی بولا گیا ہے تو ایسے مواقع پر اس سے مراد "علم" ہوگا۔ مثلاً "الم تر" کا مفہوم کبھی کبھی یہ ہوگا کہ "اے مخاطب کیا تو نہیں جانتا ہے"۔ لیکن یہ لفظ رویت و مشاہدہ کے لئے بکثرت استعمال ہوا ہے جیسا کہ اوپر مذکور سورۂ زمر کی آیت دلالت کر رہی ہے۔

اب رہا لفظ "نظر" تو یہ لفظ ائمہ لغت اور مفسرین کی تحقیق کے مطابق کسی چیز کو غور سے دیکھنے اور اس میں نگاہ عبرت و بصیرت ڈالنے پر دلالت کرتا ہے، اس قسم کی آیات کے ذریعہ منکرین حق پر اتمام حجت کرنا مقصود ہے۔ چنانچہ اوپر مذکور آیات کے علاوہ سورۂ اعراف کی آیت ۱۸۵ کے مطابق "آسمانی بادشاہت" میں بغور نظر نہ ڈالنے اور اس میں موجود عجائب قدرت کا مشاہدہ کر کے عبرت حاصل نہ کرنے والوں کو ڈانٹا گیا ہے۔ تو کیا ان واضح نصوص کے ملاحظہ کے بعد بھی یہی کہا جائے گا کہ انسانی مشاہدات و تجربات ناقابل استدلال ہیں؟ رب العالمین کی اس دلیل محکم کے بعد یقین کرنے والوں کے لئے پھر کون سی چیز پیش کی جائے؟ کیا دلیل حجت کے میدان میں قرآن عظیم کی ان واضح تصریحات کے بعد کوئی اور دلیل بھی ہو سکتی ہے؟

حصول علم کے دو مراتب قرآن حکیم کی نظر میں "مشاہدہ" اور "غور و فکر" کی بڑی اہمیت ہے۔ کیونکہ ان کے ذریعہ جو علم حاصل ہوتا ہے اسی کے ذریعہ خدا کی حجت پوری ہوتی ہے۔ لہٰذا قرآن مجید نے مشاہدہ اور غور و فکر کے ذریعہ حصول علم پر زور دیا ہے اور اس علم کو شرعی نقطہ نظر سے حجت قرار دیا ہے۔ اس علم کا پہلا مرتبہ "نظر (رویت و مشاہدہ) اور دوسرا مرتبہ "تعقل و تفکر" ہے۔ یعنی مشاہداتی حقائق کو ترتیب دے کر ان سے منطقی قضایا مرتب کرنا، یا غور و فکر کے ذریعہ کلیات کی تدوین کرنا اور اس میں تجرباتی علم بھی شامل ہو سکتا ہے جو استقراء یا جانچ پڑتال کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے مشاہداتی علم دین میں قابل حجت ہے۔

اور اس علم کے حاملین کو قرآن مجید نے "اہل علم اور" علماء" وغیرہ کا لقب دیا ہے۔ چنانچہ اس کی بعض مثالیں ملاحظہ ہوں:

۱۔ بعض مواقع پر ایسے افراد کو "علم رکھنے والے" کہا ہے:

یُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ (یونس: ۵)	وہ علم رکھنے والوں کے لئے اپنی نشانیاں (نظام کائنات کے دلائل) کھول کھول کر بیان کرتا ہے۔

۲۔ بعض مواقع پر انہیں "عالم لوگ" قرار دیا ہے:

وَمَا یَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ (عنکبوت: ۴۳)	ان مثالوں کو سوائے عالم لوگوں کے اور کوئی نہیں سمجھ سکتا۔

اور بعض مقامات میں انہیں "علماء" کے نام سے موسوم کیا ہے۔ چنانچہ نظام فطرت کے کچھ حقایق کی طرف توجہ دلانے کے بعد ارشاد باری ہے:

اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا (فاطر: ۲۸)	اللہ سے اس کے بندوں میں صرف اہل علم ہی ڈر سکتے ہیں۔

محسوسات و معقولات سرچشمہ علم غرض رویت و مشاہدہ اور تعقل و تفکر کے ذریعہ موجودات عالم کا جو علم حاصل ہوتا ہے وہ دین میں معتبر ہے اور اس کا بنیادی ماخذ حسب ذیل آیت کریمہ ہے:

اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا (بنی اسرائیل: ۳۶)	کان، آنکھ اور دل سب کے بارے میں ضرور باز پرس ہوگی۔

اور مفسرین نے تصریح کی ہے کہ یہ تینوں چیزیں ذرائع علم کی حیثیت رکھتی ہیں۔ چنانچہ امام رازیؒ تحریر کرتے ہیں کہ علوم یا تو حواس کے ذریعہ حاصل ہوتے ہیں، یا عقل کے ذریعہ۔ تو یہاں پر قسم اول کی طرف سمع و بصر کے ذریعہ اشارہ کیا گیا چنانچہ جب کوئی شخص کچھ دیکھتا ہے یا سنتا ہے تو وہ اس کی خبر دوسروں کو دیتا ہے اور قسم ثانی وہ علوم ہیں جو عقل سے حاصل ہوتے ہیں اور ان کی دو قسمیں ہیں: بدیہی اور کسبی۔ چنانچہ ان عقلی علوم کی طرف فواد کے ذریعہ اشارہ کیا گیا ہے۔[۵]

امام قرطبی تحریر کرتے ہیں کہ ان تینوں (سماعت، بصارت اور فواد) میں سے ہر ایک سے باز پرس کی جائے گی۔ یعنی فواد سے پوچھا جائے گا کہ اس نے کیا کچھ غور و خوض کیا اور کیا عقیدہ اختیار کیا؟ اور سمع و بصر سے پوچھا جائے گا کہ انہوں نے کیا سنا اور کیا دیکھا؟[۶]

اور شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ "سمع و بصر" کو علم کا اصل سرچشمہ قرار دیتے ہوئے تحریر کرتے ہیں کہ:

وھاتان الحاستان ھما الاصل فی العلم بالمعلومات التی یمتاز بھا الانسان عن البھائم[۷]	انہی دو حاسوں کی بدولت انسان چوپاؤں سے ممتاز ہے۔

حاصل یہ کہ محسوسات و معقولات قرآن حکیم کی نظر میں علم کے دو ذرائع ہیں جن کے ذریعہ انسان پر حجت قائم ہو سکتی ہے کیونکہ وہ قابل مواخذہ ہیں اور اس اعتبار سے دین میں مشاہداتی نیز تجرباتی علم کی بہت بڑی بہت بڑی اہمیت ہے، جسے کسی بھی طرح نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ لہذا اس علم کا انکار دین کی کوئی خدمت نہیں، بلکہ قرآن عظیم کے مزاج اور اس کے منصب سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔

تجربات یا قوانین فطرت محسوسات و معقولات کے ذریعہ جو علم حاصل ہوتا ہے اس کی ۲ دو قسمیں ہیں: ایک فطری اور دوسرے تجرباتی۔ علم نظری وہ ہے جو رویت و مشاہدہ اور تعقل و تفکر پر مبنی خالص نظریات و مفروضات کے تحت وجود میں آنے والا ہو اور جس میں تجربات کو کوئی دخل نہ ہو۔ اس کے برعکس تجرباتی علم وہ ہے جس میں بار بار کی جانچ پڑتال کے باعث نتیجہ یکساں نکلتا ہو۔ مثلاً پانی پینے سے پیاس بجھتی ہے، کھانا کھانے سے بھوک مٹتی ہے، زہر کھانے سے موت واقع ہوجاتی ہے، گردن کاٹ دینے سے آدمی مرجاتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ اس قسم کے امور کو "مجربات" کہا جاتا ہے اور سائنس و فلسفے میں اس کائنات کے حقائق پر مبنی وسیع کلیات سے بحث کی جاتی ہے۔

منطق کی زبان میں علم ثانی کو استقرائے تام کہا جاتا ہے اور دلیل و استدلال کے میدان میں استقرائے تام سے ہمیشہ کام لیا جاسکتا ہے جس میں غلطی کا امکان نہیں ہوتا اور منکرین پر اتمام حجت ہمیشہ استقرائے تام ہی کے ذریعہ ہوسکتی ہے، جس پر قرآن عظیم نے متعدد طریقوں سے ابھارا ہے۔ قدیم منطق تمام تر استخراجی تھی جب کہ جدید منطق استقرائی ہے۔ یعنی مشاہدات و تجربات پر مبنی۔ چنانچہ جدید سائنس کا سارا دارومدار مشاہدات و تجربات ہی پر ہے۔ پہلے مظاہر عالم میں غور و فکر کرکے نظریات و مفروضات وضع کئے جاتے ہیں اور پھر لیبورٹریوں وغیرہ میں مسلسل تجربات کرکے "مادہ" اور "انرجی" کے قوانین وضع کئے جاتے ہیں، جب بار بار کے تجربات کے بعد نتیجہ ہمیشہ یکساں نکلے تو اسے قانون فطرت (لا آف نیچر) کہا جاتا ہے اور موجودہ دور میں دلیل و استدلال کا تعلق انہی قوانین فطرت پر ہے جو آج بھی صحیح ہیں اور ہمیشہ صحیح ہوسکتے ہیں۔ یعنی ان قوانین کے بارے میں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ کل کسے دن بدل جائیں گے ایسا کہنا سائنسی علوم اور ان کی حقیقت سے ناواقفیت کا ثبوت ہے۔ تبدیلی جو کچھ بھی

ہوسکتی ہے وہ تجرباتی حقائق میں نہیں بلکہ نظریات و مفروضات میں ہوتی ہے، جو تجربے کے دائرے میں نہ آتے ہوں۔ اس پر مزید تفصیل آگے آرہی ہے۔

قرآن اور جدید سائنس موجودات عالم یا مادی اشیاء کیا ہیں؟ ان کی اصلیت و ماہیت کیا ہے؟ وہ کس طرح کام کرتے ہیں؟ اور ان سے کیا سبق ملتا ہے؟ تو اس بارے میں زمانۂ قدیم ہی سے غور و فکر کیا جاتا رہا ہے اور یونانی فلسفے میں بھی اس پر بحث کی گئی ہے۔ مگر یونانی فلسفے میں بجائے مشاہدات و تجربات کے صرف قیاسات و مفروضات پیش کئے گئے ہیں جس کو منطق استخراجی کہا جاتا ہے۔ اس کے برعکس یونانیوں نے "منطق استقرائی" یا تجرباتی سائنس کو ہاتھ تک نہیں لگایا جس کو وجود میں لانے کا سہرا قرآن عظیم کے سر بندھتا ہے۔ چنانچہ قرآن نے اپنی سیکڑوں آیات کے ذریعہ اہل اسلام کو جگایا اور انہیں مشاہدات و تجربات کے ذریعہ مظاہر فطرت کی تفتیش کرنے اور ان میں ودیعت شدہ حقائق (دلائل ربوبیت) کو اجاگر کرکے عالم انسانی پر اتمام حجت کرنے پر آمادہ کیا۔ چنانچہ تاریخی اعتبار سے ثابت ہے کہ اہل اسلام نے قرآن کی انقلابی تعلیم و تحریک کے مطابق اپنی تحقیقات کا آغاز کرکے جدید سائنس کی داغ بیل ڈالی اور دنیائے انسانی کو ایک نئے میدان سے روشناس کرایا۔ اس موضوع پر ہم نے اپنی دیگر تصنیفات میں تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی ہے۔

غرض جدید سائنس کو ترقی دینا اور لوگوں میں سائنسی مزاج پیدا کرنا جس کے ذریعہ تاریک خیالی کا خاتمہ ہوسکے۔ اسلام کا ایک بہت بڑا علمی کارنامہ ہے۔ اسلام نے سائنسی علوم کو ترقی اس لئے دی تھی کہ مظاہر عالم اور ان کے نظاموں میں جو "شہادت" دلائل ربوبیت کی شکل میں موجود ہے وہ کھل کر سامنے آجائے تاکہ اس کے ذریعہ منکرین خدا کی صحیح ہدایت و رہنمائی ہوجائے اور پھر جس کو مرنا ہو وہ دلیل و حجت دیکھ کر مر جائے۔ چنانچہ اب یہ کھیتی پک کر

تیار ہوگئی ہے اور وقت آگیا ہے کہ موجودہ سائنسی علوم کی روشنی میں پورے عالم انسانی پر اتمام حجت کر دی جائے اور قرآنی دلائل و براہین پوری طرح واضح کر دئے جائیں۔

مگر یہ کس قدر حیرت اور افسوس کی بات ہے کہ ایسے سنہری موقع پر علمائے اسلام کمربستہ ہو کر اس میدان کو سر کرنے اور قرآن کی عظمت و برتری ثابت کرنے کے بجائے سائنسی یا تجرباتی علوم کو "ناقابل اعتبار" قرار دے کر اس سے اعراض کرنے لگ جائیں! ظاہر ہے کہ یہ نہ صرف تجرباتی علوم کا انکار ہے بلکہ خود قرآن حکیم کا انکار یا اس کی قطعیت میں تشکیک پیدا کرنا ہے۔ دین دار طبقے کے اس منفی رویہ سے الحاد و دہریت کو دن بدن بڑھاوا مل رہا ہے اور اخلاقی برائیاں عروج پر نظر آرہی ہیں۔ لہذا اگر اہل اسلام نے فوری طور پر علاج نہیں کیا تو عالم انسانی کی گمراہی کی ذمہ داری اہل اسلام کے سر عائد ہوگی۔

آج جدید سائنس قرآنی منشا و مقصد کے مطابق کام کر رہی ہے چنانچہ قرآن عظیم قدیم سائنس (استخراجی منطق) کے برعکس جدید سائنس (استقرائی منطق) سے زیادہ قریب ہے اور جدید سائنسی اکتشافات کے ذریعہ قرآنی اسرار و حقائق دن بدن کھل کر سامنے آرہے ہیں جن کے ذریعہ الحاد و دہریت کا رد بخوبی ہو سکتا ہے۔ اس اعتبار سے آج خود جدید سائنس قرآن عظیم کی خادم اور حاشیہ بردار نظر آرہی ہے۔ لہذا اہل اسلام کو اس سنہرے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے گمراہ انسانوں کی ہدایت و رہنمائی کا سامان کرنا چاہئے۔ ان علوم سے مزید چھوت چھات اختیار کر کے وہ خود اپنا ہی نقصان کرنے والے ہوں گے۔

جدید علم کلام کی ضرورت ہر دور کے لئے ایک علم کلام ضروری ہے۔ علم کلام کا مطلب ہے عقائد اسلام کی معقولیت عصری تقاضوں کے مطابق عقلی دلائل کے ذریعہ ثابت کرنا۔ اور یہ علم قرآنی علوم میں سے ایک ہے۔ چنانچہ یہ علم حضرت شاہ ولی اللہؒ کے بیان کردہ قرآن کے

علوم پنج گانہ میں سے ایک "علم مخاصمہ" (کفار و مشرکین وغیرہ کے ساتھ مباحثہ) میں شامل ہو سکتا ہے۔[۸]

امام غزالی کی تصریح کے مطابق کفار یا منکرین خدا کے ساتھ مجادلہ (بحث و مباحثہ کرنا) قرآنی علوم میں سے ایک مستقل علم ہے۔ چنانچہ موصوف تحریر کرتے ہیں کہ علم کلام اسی بحث و مباحثہ کی ایک شاخ ہے جس سے مقصود گمراہیوں اور بدعتوں کا رد اور شبہات کا ازالہ ہے اور اس علم کے حامل لوگ متکلمین کہلاتے ہیں۔

والقسم الثانی: هو محاجة الکفار و مجادلتهم ومنه یتشعب علم الکلام المقصود لرد الضلالات والبدع وازالة الشبهات ویتکفل به المتکلمون۔[۹]

علم کلام کے تعلق سے علمی حلقوں میں بہت سی غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ ہر دور میں نئے نئے علوم اور نئے نئے فکری و اعتقادی مسائل پیدا ہوتے رہتے ہیں جو عالم انسانی کو گمراہ کرتے رہتے ہیں۔ لہذا ہر دور میں ایسے اختلافی مسائل سے نپٹنے کے لئے ایک نئے علم کلام کی ضرورت پڑتی رہتی ہے اور پھر ایسا کوئی بھی علم کلام نئے دور کے علمی معیارات یا نئے فلسفیانہ مسائل کو نظر انداز کر کے مرتب نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ جدید علم کلام کا مطلب ہی یہ ہے کہ دین حق اور اس کے معتقدات سے ٹکرانے والے مادہ پرستانہ افکار و نظریات کا توڑ عقلی و علمی دلائل کے ذریعہ کیا جائے۔ اس اعتبار سے اس میں جدید ترین علوم و فنون اور ان کے علمی معیارات سے بھی بحث کرنی پڑے گی۔ ورنہ ان کا توڑ نہ ہو سکے گا۔

قدیم علم کلام اور اس کے مسائل کا دور ختم ہو گیا جس کا تعلق استخراجی منطق سے تھا اس کے برعکس جدید علم کلام کا تعلق استقرائی منطق یا جدید سائنسی علوم سے ہے۔ موجودہ

دور میں نئے نئے مادہ پرستانہ فلسفے وجود میں آرہے ہیں جو سائنسی تحقیقات واکتشافات کو بنیاد بناکر گفتگو کرتے ہیں۔ لہٰذا ان کے رد و ابطال کے لئے سائنسی تحقیقات و اکتشافات کو نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔ اسی وجہ قرآن حکیم میں عالم طبیعی یا نظام فطرت کے اصول وکلیات سے بحث کی گئی ہے تاکہ وہ مستقبل میں پیش آنے والے فلسفیانہ چیلنجوں کا رد و ابطال کرسکے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں اس سلسلے کے جو اصول وکلیات مرقوم ہیں ان کی بنیاد پر ایک جدید علم کلام وضع کیا جاسکتا ہے جو عصر جدید میں پائے جانے والے تمام "ذہنی امراض" کا خاتمہ کرسکتا ہے چنانچہ اس سلسلے میں قرآن عظیم نے اپنے متبعین کو جو حکم دیا ہے وہ یہ ہے:

وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ۔ اور تو ان (منکرین) کے ساتھ بہترین طریقے سے مباحثہ کر۔
(نحل: ۱۲۵)

لفظ "جدال" یا "مجادلہ" کے اصل معنی کسی تنازعہ میں ایک دوسرے پر غالب آنے کی غرض سے تبادلۂ خیال یا بحث و مباحثہ کرنے کے ہیں۔ چنانچہ امام راغب تحریر کرتے ہیں:

الجدال: المفاوضة على سبيل المنازعة والمغالبة۔

لہٰذا منکرین حق کے ساتھ بہترین طریقے سے مباحثہ اس وقت تک ممکن نہیں ہوسکتا جب تک کہ خود ان کے علوم وفنون کو زیر بحث نہ لایا جائے۔ اس اعتبار سے منکرین کے علوم ومسائل کی روشنی میں بحث و مباحثہ کرکے حق بات ثابت کرنے ہی کا نام "جدید علم کلام" ہے۔ جو تمام تر "قرآنی علم کلام" ہوگا۔ لہٰذا اس سلسلے میں قرآن حکیم میں جو اصول وکلیات موجود ہیں انہیں مرتب ومدون کرنا وقت کی اہم ترین ضرورت ہے اور اس مقصد کے لئے ہمیں قرآنی دائرہ سے باہر قدم رکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ اس موضوع سے متعلق تمام مسائل قرآن میں مذکور ہیں۔

جدید علم کلام کا موضوع

جدید علم کلام کا موضوع "آیات الٰہی" یا دلائل ربوبیت ہے۔ اور یہ دلائل مظاہر کائنات اور ان کے نظاموں میں ودیعت کردئے گئے ہیں یعنی وہ خدائی نشانات جو ہمارے عالم طبیعی یا تکوینیات میں اس نے اپنے وجود اور اپنی وحدت ویکتائی اور اپنی ربوبیت والوہیت کے ثبوت کے طور پر رکھ چھوڑے ہیں۔ یہ خدائی آیات و دلائل موجودہ سائنسی تحقیقات واکتشافات کی روشنی میں کھل کر سامنے آرہے ہیں۔ لہٰذا قرآن حکیم کی روشنی میں جدید تحقیقات و اکتشافات کا جائزہ لے کر جدید ترین مادی والحادی فلسفوں کا قلع قمع کرنا احیائے علم اور احیائے دین کے لئے بہت ضروری ہے اور جب تک یہ کام مکمل نہ ہو عصر جدید پر اتمام حجت نہیں ہوسکتی۔ جدید ترین سائنسی تحقیقات و اکتشافات کے ذریعہ ہمارا کام بہت آسان ہوگیا ہے۔ کیونکہ ہمیں خود سائنسی تحقیقات کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ ثابت شدہ تجرباتی حقائق کی روشنی میں قرآن حکیم کی عظمت و برتری ثابت کرکے نوع انسانی کو قرآنی سرچشمۂ ہدایت سے قریب کرنا ہے۔ مگر اس کے باوجود اگر ہم ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھ جائیں تو پھر اس سے زیادہ محرومی اور کیا ہوگی۔

واقعہ یہ ہے کہ آج مادہ پرست لوگ جو اس کائنات میں کسی مابعد الطبیعی وجود کے منکر ہیں وہ اپنے اس دعوے کو صحیح ثابت کرنے کے لئے دن رات نئی نئی تحقیقات میں مصروف ہیں جن کے ذریعہ وہ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ یہ کائنات اور اس کے مظاہر کی مشنری بغیر کسی صانع یا خالق کے خود بخود چل رہی ہے، مگر وہ جیسے جیسے اپنی تحقیقات کے دائرہ کو آگے بڑھا رہے ہیں ویسے ویسے ان کے سامنے عالم طبیعی کے نئے نئے معمے جلوہ گر ہورہے ہیں جن کے ملاحظے سے ان کی حیرتوں میں مسلسل اضافہ ہوتا جارہا ہے اور ایسے موقعوں پر چاروناچار انہیں ایک فوق الفطرت ہستی کے وجود اور اس کے کرشموں کا اعتراف کرنا پڑتا ہے مگر

ایسے مواقع پر وہ بعض "پُراسرار واقعات" کہہ کر خاموشی کے ساتھ گزر جاتے ہیں۔ چنانچہ کلام الٰہی میں ایسے ہی مواقع کے لئے کہا گیا ہے:

وَكَأَيِّن مِّنْ آيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ يَمُرُّونَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُونَ (یوسف: ۱۰۵)

زمین اور آسمانوں میں کتنی ہی نشانیاں ایسی ہیں جن پر سے یہ لوگ آنکھیں بند کر کے گزر جاتے ہیں۔

غرض نظام فطرت میں پائے جانے والے اس قسم کے پُراسرار مقامات کو جو دراصل نظام فطرت کے معمے ہیں، "اللہ کی نشانیوں" (دلائل ربوبیت) میں شامل کیا جاسکتا ہے اب قرآنی آیات و اشارات اور سائنسی تحقیقات کو اکٹھا کر کے ملحدین و مادہ پرستوں کی صحیح رہنمائی کرنے کی ضرورت ہے۔ اور اس سے یہ بھی ثابت ہو جائے گا کہ قرآن عظیم عصر جدید کی بھی اسی طرح رہنمائی کر سکتا ہے جس طرح اس نے اب تک چودہ سو سال پہلے کی تھی اور اس اعتبار سے وہ ہر دور کے لئے ہادی اور رہنما کہلائے گا۔

اس موقع پر یہ حقیقت بھی پیش نظر رہنی چاہئے کہ اصولی اعتبار سے چونکہ تحقیقات جدیدہ خود منکرین حق کے مشاہدات و تجربات کے نتیجے میں منظر عام پر آرہے ہیں اس لئے ان کے ذریعہ منکرین حق پر حجت نہایت درجہ موثر انداز میں ہوسکتی ہے۔ کیونکہ وہ خود اپنے ہی نتائج فکریہ اور اپنی ہی تحقیقات کا انکار نہیں کر سکتے۔ یہ خلاق عالم کی عجیب و غریب حکمت عملی اور اس کی حیرت انگیز منصوبہ بندی ہے چنانچہ اس سلسلے میں ارشاد باری ہے:

سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ (حٰم سجدہ: ۵۳)

ہم عنقریب اپنی نشانیاں (دلائل ربوبیت) ان (منکرین) کو دکھا دیں گے ان کے چاروں طرف اور خود ان کی ہستیوں

میں بھی، تا آنکہ ان پر واضح ہو جائے کہ یہ کلام برحق ہے۔

وَيُرِيكُمْ آيَاتِهِ فَأَيَّ آيَاتِ اللّٰهِ تُنكِرُونَ (مومن: ۸۱)

وہ تم کو اپنی نشانیاں دکھا دے گا پھر تم اللہ کی کن کن نشانیوں کا انکار کرنے لگو گے؟

جدید علم کلام کے نقش و نگار کیا ہوں گے؟ اس کی تفصیل راقم السطور نے اپنی متعدد تصانیف میں کی ہے۔ نیز خاص اس موضوع پر ایک مبسوط کتاب "قرآن، سائنس، فلسفہ اور کلام" کے نام سے زیر تالیف ہے۔ خدا سے دعا ہے کہ وہ اس کی تکمیل کا سامان کرے۔

قرآن کی تفصیلی معرفت ایک فرض کفایہ

حاصل بحث یہ کہ تجرباتی علوم قرآن عظیم کی نظر میں حجت ہیں، جن کے ذریعہ جدید علم کلام کی تدوین عمل میں آتی ہے اور یہ علم عصر جدید کے مادہ پرستانہ نظریات اور الحادی فلسفوں کے رد و ابطال میں حد درجہ موثر ہوسکتا ہے۔ لہذا علمائے اسلام کی ایک جماعت ہر دور میں اس کام میں مشغول رہنی چاہئے اور یہ فریضہ پوری امت اسلامیہ پر اجتماعی حیثیت سے عائد ہوتا ہے جو اس کے ذمہ ایک فرض کفایہ ہے۔ اگر تمام لوگ اس سے غافل ہو جائیں تو پھر سب کے سب گنہگار ہو جائیں گے۔

علامہ ابن تیمیہؒ نے اپنے فتاویٰ میں جدید کلامی مسائل پر بعض اعتبارات سے بہت اچھی بحث کی ہے اور اس سلسلے میں بعض اصول و کلیات بھی بیان کئے ہیں۔[1]

حاصل یہ کہ ہمارے علماء کا ایک مخصوص طبقہ ایسا ہونا چاہئے جو عقلی و نقلی تمام علوم کا حامل ہو اور وہ ملت کے اجتماعی مسائل میں سر جوڑ کر اور غور و فکر کر کے ملت کی بہتر طریقے سے رہبری کرے۔ اور پیش آمدہ تمام فکری و شرعی مسائل کا حل کتاب و سنت کی روشنی میں

نکال کر عالم انسانی کی رہنمائی کا فریضہ انجام دے اور اس قسم کی مخصوص جماعت کی تشکیل پوری امت کے ذمہ ایک فرض کفایہ ہے۔ تاکہ اس کے ذریعہ عالم انسانی کی صحیح رہنمائی ہوسکے۔ واضح رہے امتِ مسلمہ کو پوری نوع انسانی کی ہدایت کے لئے داعی بناکر بھیجا گیا ہے۔ (لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ) اس اعتبار سے دنیا کی تمام قومیں "امت دعوت" ہیں۔ لہذا عالم انسانی کو گمراہیوں کے دلدل سے باہر نکالنا امت مسلمہ کی ذمہ داری ہے، ورنہ وہ عنداللہ جواب دہ ہوگی۔

حواشی

[1] دیکھئے الفوز الکبیر، ص ۶۰، مطبوعہ کراچی [2] معجم الفاظ القرآن، ۱/۳-۴۳، مطبوعہ مصر۔ [3] ماخوذ از تفسیر کبیر: ۲۰/۲۱۲، مطبوعہ دارالفکر بیروت، ۱۴۱۴ھ [4] ملاحظہ ہو لسان العرب، از ابن منظور ۵/۲۱۵، دار صادر بیروت، مفردات القرآن، امام راغب اصفہانی، ص ۵۱۹، بیروت، تفسیر کشاف، علامہ زمخشری ۲/۳۰، مطبوعہ تہران، تفسیر ابوالسعود، ۳/۱۶۷، بیروت۔

[5] تفسیر کبیر، از امام رازی: ۲۰/۲۱۲، مطبوعہ دارالفکر بیروت [6] تفسیر قرطبی: ۱۰/۲۵۹۔

[7] کتاب الرد علی المنطقیین: ص ۹۶، مطبوعہ لاہور [8] قرآن کے علوم پنج گانہ اور علم مخاصمہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے موصوف کی کتاب الفوز الکبیر فی اصول التفسیر [9] جواہر القرآن، ص ۳، دار احیاء العلوم بیروت [10] المفردات فی غریب القرآن، ص ۸، مطبوعہ بیروت [11] فتاویٰ ابن تیمیہ ۳/۳۱۲، مطبوعہ دارالافتاء ریاض۔

تاریخ فقہ اسلامی

از مولانا عبدالسلام ندوی

علامہ محمد الخضری مرحوم کی عربی تصنیف "تاریخ التشریع الاسلامی" کا سلیس و شگفتہ ترجمہ۔

قیمت ۱۲۵ روپے

کشمیر کی ایک نادر قلمی تفسیر - زبدۃ التفاسیر

از

ڈاکٹر اعجاز فاروق اکرم ٭

قرآن حکیم کو شریعت اسلامیہ میں انتہائی کلیدی مقام حاصل ہے اور اس الہامی ہدایت سے قیامت تک نوع انسانی کو راہنمائی اور فلاح و نجات ملتی رہے گی۔ یہ علوم و معارف کا خزینہ بھی ہے۔ نزول قرآن کے بعد فکر و تخیل اور علم و عمل کے تمام زاویے بدل گئے۔ قرآن نے نہ صرف اہل ایمان بلکہ سارے عالم انسانیت پر گہرے فکری و عملی سیاسی و سماجی، تہذیبی و ثقافتی اثرات ڈالے۔

نزول قرآن سے متصل ہی زمانے میں نہ صرف اس کی اشاعت و تعلیم کا سلسلہ شروع ہوگیا بلکہ اس کی تفسیر و تفہیم کو بھی ہر دور میں خصوصی اہمیت حاصل ہوئی۔ مختلف طبقوں کے علماء نے مختلف زاویہ ہائے نگاہ سے تفسیر قرآن کی خدمت انجام دی جن میں تفسیر بالماثور اور تفسیر بالرائے کو خصوصیت کا درجہ حاصل ہوا۔ ابتدائی عہد میں کبار صحابہ کے تفسیری اقوال کو تابعین نے جمع کیا۔ بعد کے ادوار میں اسلامی فتوحات اور غیر مسلم اقوام کے ساتھ ربط و ضبط کے نتیجے میں مختلف النوع مسائل پیدا ہوئے جن کی راہ نمائی اور حل کے لئے قرآن کریم کی مختلف النوع تفاسیر وجود میں آئیں۔

٭ شعبہ عربی، گورنمنٹ کالج فیصل آباد۔

تفسیر قرآن کا کام ہر دور اور ہر علاقے میں کیا گیا اور مذکورہ بالا دونوں بنیادی تفسیری مکاتب فکر کے علاوہ صوفیہ و متکلمین اور بعض دیگر فنون کے علماء نے بھی تفسیر قرآن کی خدمت سرانجام دی، مگر برصغیر پاک و ہند میں وجود پانے والا تفسیری کام بھی بہت وقیع اور خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔ یہاں اہل عرب کے ساتھ قدیم تجارتی روابط کے باعث شروع ہی میں آفتاب اسلام کی کرنیں چمکنے لگی تھیں، مگر آٹھویں صدی ہجری کے آغاز میں اسلام کی باقاعدہ اشاعت ہوئی جس کے بعد اسلامی علوم بالخصوص تفسیر قرآن کا بہت بڑا ذخیرہ تیار ہوا۔

برصغیر میں گزشتہ سات سو سالوں کے دوران صرف عربی زبان میں تفسیر و متعلقات تفسیر پر ۱۵۶ تصانیف کا ذکر ملتا ہے۔ یہ سرمایۂ علم ہندوستان و پاکستان کے علاوہ انڈیا آفس لائبریری اور بعض دیگر مراکزِ علم میں موجود ہے [۱]۔

خطۂ کشمیر بھی آٹھویں صدی ہجری میں اسلام کے نور سے منور ہوا۔ یہاں بھی علماء وصوفیہ تبلیغ و اشاعت اسلام کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف میں مشغول رہے۔ اگرچہ علمائے کشمیر کی تصنیفی ترجیحات میں تصوف کو خصوصی اہمیت حاصل رہی۔ تاہم تفسیر قرآن کے حوالے سے بھی کچھ وقیع سرمایہ وجود میں آیا۔ فارسی کے رواج پذیر ہونے کے باوجود علمائے کشمیر نے عربی میں متعدد تفاسیر لکھیں۔ جن میں امیر کبیر سید علی ہمدانی (م ۷۸۶ھ) سید اشرف جہانگیر سمنانی (م ۸۰۸ھ) ملا شاہ محمد بدخشی (م ۱۰۷۲ھ) خواجہ معین الدین کشمیری (م ۱۰۸۵ھ) قلی بن بادشاہ قلی (م ۱۱۱۱ھ) [۲]، شیخ اسلم بن یحییٰ بن معین کشمیری (م ۱۲۱۲ھ) مولانا عبدالرشید کشمیری (م ۱۲۹۸ھ) اور مولانا انور شاہ کشمیری (م ۱۳۵۲ھ) شامل ہیں [۳]۔

آئندہ سطور میں کشمیر میں لکھی گئی ایک نادر اور اہم عربی تفسیر "زبدۃ التفاسیر" کا تعارف پیش کیا جا رہا ہے۔

یہ قلمی تفسیر برصغیر کی ۱۶ مکمل عربی تفاسیر میں سے ایک ہے۔ جسے ۱۰۶۹ھ میں کشمیر اور برصغیر میں طویل عرصہ کے دور ضلالت و بدعت کے بعد بادشاہ اورنگ زیب عالمگیر کے سریر آرائے سلطنت ہونے کی خوشی اور اظہار تشکر کے طور پر کشمیر کے معروف عالم خواجہ معین الدین بن خواجہ خاوند محمود الملقب بہ حضرت ایشاں نے لکھ کر بادشاہ عالم گیر کی خدمت میں پیش کیا [۴]۔

تالیف تفسیر کا عہد اکبر اور ما بعد ادوار کی لادینی تحریکوں کے زیر اثر تھا۔ عالم گیر کی تخت نشینی سے ایک بار پھر تجدید و احیائے دین کی تحریک اٹھی تو تفہیم قرآن اور عقائد باطلہ کے رد کی ضرورت شدت سے محسوس کی گئی اور بالخصوص اس انداز سے کہ انتہائی جامعیت اور اختصار کے ساتھ حکمرانوں اور ان کے توسط سے عوام الناس کو فہم قرآن اور تعلیم دین کی طرف راغب کیا جائے۔ عالمگیر کی دینی خدمات کے حوالے سے تعلیم اور تعلیم گاہوں پر اس کی خصوصی توجہ اور سرپرستی کے پیش نظر اس امر کی شدید ضرورت تھی کہ تدریسی نصاب میں ضخیم اور دقیق تفاسیر کی بجائے مختصر اور جامع تفاسیر کو شامل کیا جائے۔ اس نوع کی تفسیر انوار التنزیل و اسرار التاویل للبیضاوی اور تفسیر الجلالین للسیوطی مروج تھیں، مگر مولف رحمۃ اللہ علیہ نے ایک قدم اور آگے بڑھاتے ہوئے چھ سات تفاسیر کے خلاصے پر مشتمل یہ تفسیر مرتب کی اور اس مناسبت اس کا نام "زبدۃ التفاسیر" رکھا۔

عالم گیر کی خدمت میں تفسیر کو پیش کرنا اس امر کا غماز بھی ہے کہ اس سے نہ صرف عالمگیر کی تخت نشینی کے ذریعے کفر و الحاد اور بدعات کے عہد کے خاتمہ پر شکر ادا کرنا مقصود تھا بلکہ یہ بھی مطلوب تھا کہ بادشاہ کی سرپرستی میں یہ قبول عام حاصل کرے۔ ۱۰۶۹ھ میں پہلا نسخہ (نسخۃ الام) تیار ہونے اور عالم گیر کو پیش کیے جانے کے بعد ۱۰۷۱ھ (نسخہ پٹنہ)

۱۰۷۵ھ (نسخہ کیمبرج) تیار کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولف نے اپنی زندگی ہی میں اسے اہل علم وفضل اور طالبان علم کے استفادہ کے لئے پیش کر دیا۔

زبدۃ التفاسیر کے نام اور نسخے مختلف قلمی نسخوں میں تفسیر مذکور کے مختلف نام بیان کئے گئے ہیں جو یہ ہیں:

۱۔ زبدۃ التفاسیر من جدا المعین ۲۔ تفسیر اورنگ زیبی ۳۔ تفسیر زبدۃ البیان[۵]

اس تفسیر کے درج ذیل قلمی نسخوں کا پتہ چلا ہے:[۶]

۱۔ نسخہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری، لاہور۔ کتابت: ۱۰۶۹ھ

۲۔ نسخہ اورینٹل پبلک (خدا بخش) لائبریری، پٹنہ۔ " : ۱۰۷۱ھ

۳۔ نسخہ کیمبرج یونیورسٹی لائبریری، انگلینڈ۔ " : ۱۰۷۵ھ

۴۔ نسخہ رائل ایشیاٹک سوسائٹی، کلکتہ۔ " : ۱۱۵۰ھ

۵۔ نسخہ سعیدیہ لائبریری، ٹونک۔ " : ۱۲۹۴ھ

نسخوں کی خصوصیات ۱۔ پنجاب یونیورسٹی لائبریری کا نسخہ مختلف شواہد کی بنا پر "نسخۂ الام" قرار دیا گیا ہے۔ یہ لائبریری کے ذخیرہ مخطوطات شیرانی میں نمبر ۱۷۴۶-۵/۳۹۰۰ کے تحت موجود ہے۔ جس کے ۲۲ × ۱۷ س۔م تقطیع کے ۳۴۸ فولیوز (۶۹۶ صفحات) ہیں اور ہر صفحہ پر خط نسخ میں ۱۹ سطریں لکھی گئی ہیں۔ اگرچہ واضح طور پر اس نسخہ میں سنہ کتابت درج نہیں تاہم ۱۰۶۹ھ جو بادشاہ عالمگیر کا سن جلوس تخت ہے، درج ہے اور غالباً یہی اس نسخہ کا سن کتابت ہے۔

اس نسخہ میں قرآنی متن کے لئے "ق" اور تفسیری عبارت کے لئے "ت" کے حروف بطور علامت اختیار کئے گئے ہیں۔ مزید برآں علامات سرخ اور متن سیاہ روشنائی سے لکھا

گیا ہے۔ نسخہ کے ہر صفحہ کا حاشیہ سات مختلف رنگوں میں لگایا گیا ہے۔ جب کہ ہر فولیو کے پہلے صفحے کے آخر میں اگلے صفحے کا پہلا لفظ لکھا گیا ہے سورتوں کے نام اور بسم اللہ ہر سورہ کے آغاز میں ایک ہی چوکھٹے میں شامل کئے گئے ہیں، جب کہ پاروں کے نمبر سرخ روشنائی سے جلی حروف میں لکھنے کے علاوہ ربع، نصف، ثلث اور رکوع وسجدہ کی علامات بھی ثبت کی گئی ہیں۔ نسخہ میں اصل متن سے پہلے علیحدہ صفحہ پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا منذر بن ساوی کے نام مکتوب گرامی لکھا گیا ہے۔

اس نسخہ کے حواشی میں تفسیر الخازن ولباب التاویل فی معانی التنزیل کی عبارتیں بھی متعدد مقامات پر نقل کی گئی ہیں۔ ایسی اکثر تحریروں کے کاتب کے طور پر "عبدالکریم الکاتب" کے الفاظ درج ہیں۔ اس نسخہ کے متن کی بعض تصحیحات خود مولف تفسیر نے اپنے ہاتھ سے کی ہیں۔ اس میں کتابت کی اغلاط بھی جابجا نظر آتی ہیں، مگر دوسرے نسخوں کے مقابلے میں کم ہیں، جب کہ اغلاط کی تصحیحات بھی ملتی ہیں۔

نسخہ میں الفاظ کے نقاط کی تقدیم وتاخیر، تائے مربوطہ 'ۃ' کے نقاط ثبت کرنے میں کوتاہی، متن قرآن کے بعض کلمات وآیات کے سقوط اور حرکات کی اغلاط بھی موجود ہیں۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ ایسی تمام اغلاط اور ان کی تصحیحات وترامیم جو اس نسخہ میں موجود ہیں بعد کے نسخوں میں نہیں ملتیں، مجموعی طور پر یہ نسخہ مکمل ومجلد بہترین حالت میں موجود اور قابل دید ہے[۷]۔

۲۔ (خدا بخش) لائبریری پٹنہ کا نسخہ نسخ ہندی میں ۴ ۱/۴ × ۷ ۱/۴، و ۶ ۱/۲ × ۱۰ سائز کے ۳۴۱ فولیوز (۶۸۲ صفحات) اور ۱۹ سطور فی صفحہ پر مشتمل ہے۔ اس کی کتابت ۲۰ رجب ۱۰۷۱ ہجری میں مکمل ہوئی۔ لائبریری کیٹلاگ کے مطابق اس مخطوطہ کا نمبر ۱۳۴۶ ہے[۸]۔

یہ نسخہ بھی اول و آخر محفوظ اور اس کا خط واضح و خوبصورت ہے۔ اس کے تمام اوراق پر سرخ اور سنہرا حاشیہ لگایا گیا ہے۔ جب کہ متن قرآنی اور تفسیری عبارت کو "ق" اور "ت" کی علامات کی بجائے سیاہ اور سرخ روشنائی سے ممیز کیا گیا ہے۔ مخطوطہ کے عربی متن کے بین السطور بعض مشکل الفاظ کے فارسی میں معنی بھی بکثرت درج ہیں۔ نسخہ کی کتابت گرچہ خوبصورت ہے، مگر بہت سی اغلاط موجود ہیں' ان میں نقاط اور حروف کی تقدیم و تاخیر نقاط کا سقوط، بعض مقامات پر لاپرواہی سے کی گئی کتابت نمایاں ہیں۔ اندازہ ہوتا ہے کہ اس نسخہ کو مولف تفسیر یا کاتب نسخہ کو نظر ثانی و ترمیم و اصلاح کا موقع نہیں مل سکا۔

یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اول الذکر اور یہ نسخہ یکے بعد دیگرے کتابت ہوئے اور پہلا نسخہ (پنجاب یونیورسٹی) تیار کرنے کے بعد کسی شخص نے یہ نسخہ املا کروایا اور عجلت میں اس نسخہ کے تقابل و تصحیح کے بغیر پہلا نسخہ بادشاہ کو ارسال کر دیا گیا۔

اس نسخہ میں بعض مکمل الفاظ کی بجائے علامات و رموز کا استعمال بھی بکثرت کیا گیا جیسے: رضی اللہ عنہ کی بجائے "رض"، تعالیٰ کی بجائے "تع" اس کے علاوہ اوراق نسخہ پر ہندوستانی انداز میں ابتدائے پارہ الربع، النصف اور الثلث اور رکوع کی علامات ثبت کی گئی ہیں۔

کیمبرج یونیورسٹی لائبریری کا نسخہ ۳۔ ۱۰۷۵ھ میں خط نسخ میں کتابت ہوا ہے جو ۱۰۸۲ صفحات، ۱۷ سطور فی صفحہ پر مشتمل ہے' کیمبرج یونیورسٹی لائبریری میں اس کا اندراج نمبر ۱۹ ہے۔[۹] یہ نسخہ واضح، جلی اور خوبصورت کتابت کا نمونہ اور انتہائی محفوظ و مکمل حالت میں موجود ہے۔ نسخہ اصل (پنجاب یونیورسٹی) میں موجود اغلاط کو بڑی حد تک درست کیا گیا ہے۔ یہ نسخہ مولف تفسیر کی نظر سے گذرا اور انہوں نے اپنے ہاتھ سے اس میں

تصحیحات و ترامیم کیں اور حواشی میں بکثرت اضافے بھی کیے۔

اس نسخہ میں بھی ابتدائے پارہ ربع، نصف اور ثلث کے نشانات ثبت کرنے کے علاوہ سورہ کا نام اور بسم اللہ نمایاں طور پر علیحدہ علیحدہ سطروں میں لکھے گئے ہیں جب کہ ہر آیت کے اختتام پر پانچ قوسوں والا پھول بطور علامت آیت ثبت کیا گیا ہے۔ اس نسخہ میں بھی پٹنہ والے نسخہ کی طرح الفاظ کے معانی فارسی میں بین السطور درج کیے گئے ہیں۔ ان دونوں نسخوں (کیمبرج و پٹنہ) میں خاصی حد تک مطابقت نظر آتی ہے۔ نسخہ کے اوراق کے اطراف میں حفاظت کی غرض سے لگائے گئے کاغذ سے حواشی میں موجود بعض ترامیم، اصلاحات اور اضافہ جات محو ہو گئے ہیں۔

اس میں قرآن مجید کے متن کو سیاہ اور تفسیری عبارت کو سرخ روشنائی سے لکھا گیا ہے۔

رائل ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ کا نسخہ ۴۔ خط نسخ میں لکھا گیا ہے' یہ نسخہ ۸۵۶ صفحات، ۱۷ سطور فی صفحہ پر مشتمل ہے۔[۱۰] اس کی کتابت ۱۱۵۰ ہجری میں مکمل ہوئی۔ ایشیاٹک سوسائٹی کی فہرست مخطوطات میں اس کا اندراج نمبر ۱۰۶ ہے۔ یہ نسخہ کرم خوردہ اور غیر مناسب و غیر محفوظ حالت میں موجود ہے۔ بہت ساری املائی اغلاط کے ساتھ آیات قرآنی غیر واضح ہیں، البتہ تفسیری عبارات قدرے واضح ہیں۔ غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآنی متن سرخ یا کسی اور ہلکے رنگ کی روشنائی سے لکھا گیا، جب کہ تفسیری عبارتیں سیاہ روشنائی سے لکھی گئیں۔

اس نسخہ کے ہر فولیو کے پہلے صفحہ کے اختتام پر اگلے صفحہ کا ابتدائی لفظ لکھنے کے علاوہ صفحات کے نمبر بھی لگائے گئے ہیں' جب کہ ہر سورہ کی ابتدا میں ہر سورہ کے کلمات

اور حروف کی تعداد بھی درج کی گئی ہے۔

اس نسخے کے مقدمہ میں عالم گیر کی مدح اور اس کے نام تفسیر معنون کرنے کا ذکر نہیں۔ غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ نسخہ عہد عالمگیر کے بہت بعد میں لکھا گیا، لہٰذا اس کا ذکر کرنے کی ضرورت نہ سمجھی گئی۔

نسخہ مکتبہ سعیدیہ۔ ٹونک کا نسخہ ۵۔ شوال المکرم ۱۲۹۴ھ میں عبدالکریم کاتب کے ہاتھوں لکھا گیا ہے۔ خط نسخ میں کتابت ہونے والا یہ نسخہ متوسط تقطیع کے ۱۰۷۱ صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ نسخہ پنجاب یونیورسٹی میں موجود اصل قرار دیے گئے نسخہ سے بہت مماثل ہے۔ اس میں بھی پنجاب یونیورسٹی والے نسخے کی طرح قرآنی متن کے لئے 'ق' اور تفسیری عبارت کے لئے 'ت' کی علامات استعمال کی گئی ہیں جو باقی تینوں نسخوں میں موجود نہیں۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ اول الذکر اور زیر نظر نسخے ہندوستان کی ریاست ٹونک سے متعلق ہیں۔ شواہد بتاتے ہیں کہ پنجاب یونیورسٹی کا نسخہ ٹونک کے رہنے والے حافظ محمود شیرانی سے حاصل ہوا جب کہ دوسرا نسخہ ابھی تک ٹونک میں ہی موجود ہے اور اس کے کاتب وہی عبدالکریم ہیں جن کے متعدد حواشی پنجاب یونیورسٹی کے نسخہ میں موجود ہیں۔

مجلہ 'معارف' کے مضمون نگار کے مطابق والی ریاست ٹونک نے 'زبدۃ التفاسیر' کا ایک نسخہ خریدا تھا جس کی نقل والی ریاست کے درباری عالم و محقق مولانا عبدالکریم (م ۱۳۰۰ھ) نے والی ریاست کے صاحبزادے محمد اسحاق خاں کے لئے تحریر کیا[۱۱، ۱۲]۔

تفسیر کے امتیازات زبدۃ التفاسیر کا سب سے اہم اور نمایاں امتیاز یہ ہے کہ خطہ کشمیر میں عربی زبان میں لکھی گئی مکمل تفاسیر قرآن میں سے محفوظ اور عمدہ حالت میں موجود ہے۔

یہ نہ صرف کشمیر اور برصغیر بلکہ ملت اسلامیہ کے عظیم تفسیری ادب میں اپنے عہد اور خطہ کی نمائندگی کرتی ہے جو اس امر کی شہادت ہے کہ اسلامی علوم و فنون میں برصغیر بلکہ ۸۰۰ سال بعد اسلام کے نور سے منور ہونے والا خطہ کشمیر کسی طور بھی پیچھے نہیں رہا۔ بلکہ قابل فخر انداز سے نمایاں ہے۔

ذیل میں "زبدۃ التفاسیر" کی چند اہم فنی خصوصیات تحریر کی جاتی ہیں، اس سے اس کی اہمیت و افادیت اور علمی مرتبت کا اندازہ ہوگا۔

۱۔ یہ تفسیر جلالین کے طرز کی مختصر اور جامع ہے۔ جس میں مولف نے اس امر کی کوشش کی ہے کہ مختصر انداز سے قرآن کریم کے معانی و مطالب قاری کے ذہن نشین کر دئے جائیں۔

۲۔ یہ تفسیر بالماثور ہے، جس میں انتہائی اختصار کے ساتھ حوالوں کے بغیر متقدمین کے آثار و اقوال درج کئے گئے ہیں۔ مولف نے بالعموم اپنی رائے کا اظہار نہیں کیا۔

۳۔ تفسیری اقوال کا ذکر کرتے ہوئے مولف نے بالعموم مفسرین کرام کا ذکر نہیں کیا، تاہم عبداللہ ابن عباسؓ کے اقوال کو نہ صرف ترجیح دی ہے بلکہ ان کے نام سے ان کا ذکر کیا گیا ہے۔ جب کہ کہیں کہیں مکی مکتب تفسیر کے سعید بن جبیر، مجاہد، عکرمہ، عطاء بن رباح، مدنی مکتب تفسیر کے ابی بن کعب، محمد بن کعب القرظی، عراقی مکتب تفسیر کے عامر الشعبی، عبداللہ بن مسعود، مسروق بن الاجدع، حسن البصری، قتادہ اور یہودی علماء میں سے عبداللہ بن سلام، کعب الاحبار اور وہب بن منبہ رضی اللہ عنہم و رحمہم اللہ اجمعین کے نام سے بھی بعض اقوال مذکور ہیں۔ مجموعی طور پر مدنی مکتب تفسیر کے اثرات غالب و نمایاں

۴۔ یہ تفسیر جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے، مختلف تفاسیر کا خلاصہ اور مجموعہ ہے۔ ان میں تفسیر الخازن، تفسیر النسفی، تفسیر الجلالین، تفسیر زاہدی، تفسیر البیضاوی شامل ہیں۔ ان تفاسیر کی کہیں کلی اور کہیں جزئی عبارات بھی نقل کی گئی ہیں، تاہم مصادر کا حوالہ نہیں دیا گیا۔

۵۔ تفسیر النسفی اور تفسیر الخازن کے زیر اثر بعض جگہوں پر اسرائیلیات بھی شامل کی گئی ہیں۔ چونکہ تفسیر کا عمومی اسلوب اختصار ہے، لہٰذا لمبی عبارات اور تفصیلی روایات شامل نہیں ہیں۔

۶۔ تفسیر میں بالعموم فقہی مسائل اور اختلافی موضوعات کو نہیں چھیڑا گیا۔

۷۔ یہ تفسیر اپنے عہد کی عکاسی کرتی ہے، اس عہد کے اہم مسائل میں ردِ شیعت، ردِ الحاد اور نماز سے تساہل شامل تھے، جن کا ذکر مولف نے تفسیر میں خصوصی طور پر کیا ہے۔

۸۔ مولف نے جابجا اپنے حق میں دعا کی ہے۔

تفسیر کے اختتام پر مولف نے خود اس تفسیر کی خصوصیات کا تذکرہ یوں کیا ہے:

"المشتمل علی مرام الاصحاب المحتوی علی زبدۃ اقوال المفسرین من ائمۃ اولی الالباب المنطوی علی خلاصۃ آرائی المجتہدین والایجاز فی تفسیر القرآن الخالی عن الاخلال فی تعبیر الالفاظ العاری عن الاملال فی تحقیق معانیہ ومعجزۃ مبانیہ، الاقتصاد فی الاکثار والاقلال فی کشف وجوہ عوائس الفراید"۔[13]

اس تفسیر کے مقدمہ میں مولف نے وجہ تالیف تفسیر کے طور پر عالمگیر کی تخت نشینی سے قبل برصغیر اور کشمیر میں الحاد و بدعات و گمراہیوں کی نشاندہی، مایوسی اور بے چارگی کی

کیفیات کا تذکرہ کیا ہے اور عالم گیر کی تخت نشینی کو ملت اسلامیہ کے لئے بڑی سعادت اور نعمتِ خداوندی قرار دیتے ہوئے روشنی اور امید کی کرن گردانا ہے۔

مولف تفسیر: اس نادر تفسیر کے مولف کشمیر کے معروف نقش بندی بزرگ خواجہ خاوند محمود الملقب بہ حضرت ایشاں (م ۱۰۵۲ھ، مدفون: بیگم پورہ، لاہور) کے صاحبزادے خواجہ معین الدین ہادی نقش بندی کشمیری (۱۰۸۵ھ) ہیں، جو اپنے عہد کے ممتاز عالم اور صوفی، شریعت اسلامیہ کے پابند، سنت مطہرہ کے داعی، دافع بدعات، زہد و ورع میں بے نظیر، علمائے عصر میں مقبول و معروف تھے۔ علمائے عصر نہ صرف علمی مشکلات کے حل کے لئے ان سے رجوع کرتے بلکہ مسائل فقہیہ میں فتویٰ طلب کرتے اور ان کے فیصلوں اور آرا کو سر آنکھوں پر رکھتے، وہ علمائے کبار، فقہائے حنفیہ اور مشائخ نقش بندیہ میں شمار ہوتے۔

خواجہ معین الدینؒ اپنے والد کے لاہور منتقل ہوجانے کے باعث ان کی مسند علم و رشد پر فائز ہوئے اور خانقاہ نقش بندیہ میں سالہا سال تبلیغ، اشاعتِ اسلام اور تعلیم و تزکیہ میں مصروف رہے۔ انہوں نے ہزاروں لوگوں کو مشرف بہ اسلام کیا۔[14]

خواجہ معین الدین کشمیری کا تذکرہ کشمیر کے کثیر التصانیف عالم کے طور پر کیا جاتا ہے زبدۃ التفاسیر کے علاوہ تفسیر معینی کے نام سے ان کی فارسی تفسیر کا ذکر ملتا ہے۔ یہ تفسیر مفصل ہے۔ اس کا ایک نسخہ سعیدیہ لائبریری ٹونک اور دوسرا مولانا زاہد الحسینی، دارالارشاد اٹک پاکستان کے پاس موجود ہے۔[15]

مصنف کی دیگر تصانیف میں مندرجہ ذیل کا علم ہو سکا ہے:

۱۔ کنز السعادۃ: علمائے وقت کی درخواست پر لکھی گئی درسی کی یہ تصنیف اہل سنت

والجماعت کے عقائد، فقہ اور علوم شریعت و طریقت کے موضوع پر مشتمل ہے، اس کے دو[2] نسخوں میں سے ایک ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ اور دوسرا پنجاب پبلک لائبریری لاہور میں موجود ہے۔[16]

۲۔ فتاویٰ نقش بندیہ : کشمیر کے ممتاز علماء و فضلاء کے اتفاق و تعاون کے ساتھ یہ کتاب مرتب کی گئی، اس کا ایک قلمی نسخہ پشاور یونیورسٹی، دوسرا خدا بخش لائبریری پٹنہ میں موجود ہے۔[17]

۳۔ مرآۃ طیبہ : فارسی زبان میں اپنے والد خواجہ خاوند محمود کے احوال و کرامات اور مشائخ نقش بندیہ کے تذکروں پر مشتمل ۳۰۳ صفحات کی یہ تصنیف انڈیا آفس لائبریری اور رضا لائبریری رام پور میں قلمی نسخوں کی صورت میں موجود تھا۔

۴۔ رسالہ رضوانی : والد کے مناقب و مراتب اور آبائی نسب نامہ پر مشتمل فارسی زبان میں اس تالیف کا قلمی نسخہ جموں و کشمیر کلچرل اکیڈمی سری نگر میں موجود ہے۔[19]

۵۔ ملفوظات حضرت ایشان : اس کا ایک قلمی نسخہ رائل ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ میں موجود ہے۔[20]

۶۔ المرفقۃ القلوب : فقہ و تصوف کے موضوع پر یہ تصنیف مرتب کی گئی۔[21]

۷۔ رسالہ رد الملاحدۃ : زبدۃ التفاسیر کے مقدمہ میں اس کا ذکر کیا گیا ہے۔

۸۔ تفسیر سورۂ یوسف : اس کا ایک نسخہ پنجاب پبلک لائبریری میں بیان کیا گیا ہے۔[22]

دیگر تصانیف میں "مرآۃ العدالۃ" سیر محمدی اور بخاری شریف کے دو نسخے شامل ہیں۔ جن میں سے ایک سعیدیہ لائبریری ٹونک اور دوسرا لاہور میوزیم کے شعبہ

مخطوطات میں موجود ہے۔ لاہور کے نسخے میں خواجہ معین الدین اور بادشاہ عالمگیر کی مہر مولف کی تحریر، نسب نامہ وغیرہ موجود ہیں۔ یہ نسخہ بھی انتہائی خوبصورت اور قابل دید ہے۔

تحقیق زبدۃ التفاسیر الحمد للہ کہ سوا تین سو سال سے گوشۂ گمنامی میں پڑا ہوا یہ وقیع علمی سرمایہ مقدم الذکر چاروں نسخوں کے حصول، مطالعہ، مقابلہ اور تحقیق کے بعد محفوظ کر لیا گیا ہے۔ اس تحقیق کے دوران نہ صرف صحیح ترین نسخہ ترتیب دیا گیا بلکہ ہر تفسیری قول کے مراجع و مصادر کے مکمل حوالے بھی اکٹھے کر دئے گئے ہیں۔ ان مصادر میں تفسیر الطبری، تفسیر البغوی، زاد المسیر، تفسیر النسفی، تفسیر البیضاوی، تفسیر الخازن، تنویر المقیاس، تفسیر الجلالین کے مکمل حوالے صفحہ اور جلد نمبر اسی قطعہ آیت کے سامنے درج کر دئے گئے ہیں جس کی تفسیر بیان کی گئی ہے۔ اس طرح یہ تفسیر اب "تفسیری ریفرنس بک" کا درجہ حاصل کر گئی ہے۔ علاوہ ازیں تفسیر میں وارد احادیث اعلام و اماکن اور قبائل کی تخریج بھی کر دی گئی ہے۔[23]

حواشی و تعلیقات

[1] ہندوستانی مفسرین اور ان کی عربی تفسیریں۔ ڈاکٹر سالم قدوائی۔ ص: ۲۱ و ۱۳۲ [2] مذکورہ مفسر بنیادی طور پر کشمیر کے بادشاہ نہ تھے، مگر یہاں کی خصوصی آب و ہوا تصنیف و تالیف کے لئے سازگار ماحول، جغرافیائی طور پر محفوظ اور پُر امن خطہ ہونے کے باعث طویل عرصہ تک کشمیر میں قیام پذیر رہے [3] ہندوستانی مفسرین اور ان کی عربی تفسیریں/ تاریخ ادبیات مسلمانان پاک وہند و پنجاب یونیورسٹی، ج ۲ [4] مقدمہ مولف، زبدۃ التفاسیر [5] ۱۔ مخطوط خدا بخش لائبریری پٹنہ ۲۔ مخطوط کیمبرج یونیورسٹی لائبریری ۳۔ مخطوط رائل ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ [6] ڈاکٹر سالم قدوائی نے "ہندوستانی مفسرین اور ان کی عربی تفسیریں" میں اس تفسیر کے تین نسخوں کا ذکر

کیا ہے (دیکھئے ص : ۸۲-۸۱) جب کہ مجلہ 'معارف' اعظم گڑھ (مارچ ۱۹۶۷ء) میں "معین بن محمود کشمیری اور ان کی تصانیف" کے مقالہ نگار نے دو نسخوں کا ذکر کیا ہے [5] فہرست مفصل مخطوطات پنجاب یونیورسٹی ص : ۳۳-۲۹، مرتبہ قاضی عبد النبی کوکب [6] کیٹلاگ آف دی عربک اینڈ پرشین مینو سکرپٹس ان دی اورینٹل پبلک لائبریری' بانکی پور' جلد : ۱۸ (عربی مخطوطات) صفحہ ۱۲، مطبوعہ ۱۹۳۲ء' مرتبہ : مولوی معین الدین ندوی اور مفتاح الکنوز الخفیہ (فہرست مخطوطات جلد اول' ص : ۲۹' مطبوعہ : ۱۹۱۸ء' مرتبہ : مولوی عبد الحمید (نوٹ) اس فہرست (مفتاح الکنوز الخفیہ) میں ٹائپ کی غلطی سے سنہ تالیف ۱۱۰۱، اور مولف کا نام "معین الدین بن صدر" درج ہے' جو درست نہیں) [9] ہینڈ لسٹ آف محمڈن مینو سکرپٹس BY, BROWN نمبر : 319a' [10] کنگز کالج [10] کیٹلاگ آف عربک مینو سکرپٹس، ایشیاٹک سوسائٹی، کلکتہ، M.S.NO,91 BY, IVANE، ص : ۴۰ [11] معارف : مارچ ۱۹۶۷ء' ص ۲۳۱ [12] ان پانچوں نسخوں میں سے موخر الذکر (نسخہ ٹونک) کے علاوہ تمام نسخے پنجاب (اصل) اور باقی بصورت مائیکرو فلم میں نے حاصل کئے [13] خاتمة التفسیر' ص ۹۹۶۔ مخطوطہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری [14] تفصیلی حالات کے لئے ملاحظہ ہو : حدیقة الاولیاء' مفتی غلام سرور لاہوری' ص ۱۲۴، تحائف الابرار' محی الدین مسکین ص : ۶۱-۶۰' تذکرہ ایشاں۔ میاں مقبول احمد' ص : ۱۲' نزہتہ الخواطر' عبد الحی لکھنوی ج : ۵' ص : ۴۰۶' مجلہ 'معارف' مارچ ۱۹۶۷ء ص ۲۲۴' تاریخ اقوام کشمیر' محمد الدین فوق' ص : ۱۴۸ ۔تذکرہ علمائے ہند' مولوی رحمان علی' فہرست مفصل مخطوطات' پنجاب یونیورسٹی، ص ۲۹' ہندوستانی مفسرین اور ان کی عربی تفسیریں۔ قدوائی۔ ص : ۹۵-۸۱ [15] پاکستان میں فارسی ادب۔ ڈاکٹر ظہور الدین احمد۔ ج : ۳۔ ص : ۳۶-۶۳۳، ماہنامہ "صوت الاسلام" (قرآن کریم نمبر) فیصل آباد [16] تفصیلات کے لئے : پاکستان میں فارسی ادب : ۳/ ۳۶-۶۳۳' تذکرہ حضرت ایشاں' فہرست

مخطوطات فارسی' پنجاب پبلک لائبریری لاہور' ص : ۶۳-۱۶۲ [17] تفصیلات : عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ۔ زبید احمد۔ (اردو ترجمہ)، ص : ۳۰۳، تذکرہ حضرت ایشاں، ص ۹۴، حدیقة الاولیاء : ص ۱۲۵' پاکستان میں فارسی ادب۔ ج : ۳' ص : ۳۶-۶۳۳ [18] تفصیلات کے لئے تحائف الابرار ص : ۶۱-۶۰' تاریخ اعظمی' ص : ۶۸-۱۶۷، تاریخ اقوام کشمیر : فوق۔ ص : ۱۴۸ تذکرہ ایشاں' ص ۱۲' حدیقة الاولیاء' ص : ۱۲۱ [19] تحائف الابرار' ص : ۶۱-۶۰، تاریخ اعظمی' ص : ۶۸-۱۶۷، تذکرہ اولیائے پاک و ہند : ص ۳۴۲، حدیقة الاولیاء ص ۱۲۱، تذکرہ ایشاں' ص : ۹۴ و ۹۳ [20] تذکرہ ایشاں ص : ۹۳' تاریخ اقوام کشمیر (فوق)، ص : ۱۴۸ [21] معارف' مارچ ۱۹۶۷ء' ص : ۲۳۳، تاریخ اقوام کشمیر ص : ۱۴۸، حدیقة الاولیاء : ص : ۲۵-۱۲۱' تذکرہ ایشاں، ص ۹۳ [22] پاکستان میں فارسی ادب۔ ج : ۳' ص : ۳۶-۶۳۳ [23] ایک ہزار صفحات کی اس وقیع تفسیر کی تحقیق، مقدمہ و حواشی کی سعادت بحمد اللہ راقم الحروف کو حاصل ہوئی ہے' یہ تحقیق پنجاب یونیورسٹی میں پروفیسر ڈاکٹر ظہور احمد اظہر کی زیر نگرانی مکمل ہوئی۔ اڑھائی ہزار صفحات اور ۶ جلدوں میں مشتمل ضخیم مقالہ پر پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری عطا کی گئی۔

تذکرۂ مفسرین ہند (حصہ اول)

مرتبہ : محمد عارف اعظمی عمری

دار المصنفین نے ہندوستانی علمائے تفسیر کے حالات و خدمات پر تصنیفات کا ایک سلسلہ شروع کیا ہے، جس کا پہلا حصہ چند برس قبل شایع ہوا ہے' اس میں سولہ ہندوستانی مفسرین کے حالات اور علمی خدمات کا مرقع پیش کیا گیا ہے اور پھر ان کی کتب تفسیر کا مفصل جائزہ لیا گیا ہے جس سے ان کی نمایاں خوبیاں اور خصوصیات سامنے آگئی ہیں۔

قیمت - ۸۰ روپے

شیخ سعدی کی عربی شاعری

از۔ جناب سرور عالم ندوی٭

شیخ سعدی کی عربی شاعری کے متعلق بہت کم لکھا گیا ہے اور اکثر لوگوں کو یہ پتہ بھی نہیں ہے کہ وہ عربی میں بھی شعر کہتے تھے، دراصل فارسی شاعری میں ان کی عظمت و بلند پایگی نے ان کے دوسرے کمالات کو مخفی و مستور رکھا ہے، تعجب تو اس پر ہے کہ فارسی کے ایسے باکمال اور شہرۂ آفاق نثر و نظم نگار کی تاریخ پیدائش و وفات، خاندانی حالات اور نام کی بھی صحیح تعیین نہیں کی جا سکی ہے۔

شیخ عربی النسل تھے شیخ کے حالات و سوانح اور نثر و نظم میں ان کی کاوشوں سے جہاں ان کے فنی کمال اور مہارت کا پتہ چلتا ہے وہاں بعض قرائن اور شواہد سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ وہ عربی النسل تھے، ان کا شعر ہے:

شاید کہ بپادشہ بگوئید ترک تو بریخت خون تاجیک

تاجیک سے جسے تازیک بھی کہتے ہیں اہل عجم ان لوگوں کی اولاد کو مراد لیتے تھے جو دیار عرب سے آکر عجم میں آباد ہوگئے تھے[1]، پروفیسر براؤن کی تحقیق کے مطابق یہ اصطلاح (تازیک، تازی) ابتدا میں ان فوجی عربوں کے لئے بولی جاتی تھی جو خراسان اور ماوراء النہر کے مفتوحہ شہروں کی محافظت پر مامور ہوتے تھے، بعد میں یہ اصطلاح ترکی النسل خانہ بدوشوں کے

٭ ریسرچ اسکالر شعبۂ عربی، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ۔

مقابلے میں ایران میں مستقل آباد لوگوں کے لئے مستعمل ہونے لگی اور اب تک ہوتی ہے[2]، لیکن شعرائے فارسی میں ممتاز ترین شاعر منوچہری دامغانی نے اس کو خالص عرب کے معنی میں ہی استعمال کیا ہے، وہ اپنے ایک ہم عصر پر اپنی ترجیح ثابت کرتے ہوئے کہتا ہے:

من بسے دیوان شعر تازیان دارم زبر تو ندانی خواند الاھبی بصحنک فاصبحینا[3]

یعنی مجھ کو عرب کے بیسیوں دیوان زبانی یاد ہیں اور تو سبعہ معلقہ کا یہ قصیدہ بھی نہیں پڑھ سکتا جس کا مطلع الا ھبی بصحنک فاصبحینا ہے۔

مولوی محمد اعجاز حسن صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ ان کے نسب کا حال کسی کتاب سے مجھ کو نہیں ملا، اکثر اہل کمال باوجود عالی نسب ہونے کے اپنے نسب کو ہضماً للنفس بیان نہیں کرتے نہ اس کا فخر کرتے، شیخ نے بھی کہیں اس کا اظہار نہیں کیا، مگر گمان غالب بلکہ یقین یہ ہے کہ عربی النسل تھے، ان کا ایک شعر عربی النسل ہونے پر دلالت کرتا ہے:

شاید کہ بپادشہ بگوئید ترک تو بریخت خون تاجیک[4]

شیخ سعدی کی عرب کی صحرانوردی بھی ان کے عربی النسل ہونے کا ثبوت ہے لیکن ان کی صحرانوردی کی اصل وجہ یہ تھی کہ وہ علم و حکمت کے شیدائی تھے اور اس گم شدہ حکمت کی بازیافت میں عربی اور اسلامی دیار کی خاک چھانتے رہے، انہوں نے مصر و شام، عراق، بغداد، فلسطین، حبش اور جزیرۃ العرب کے اہل کمال سے اکتساب فیض کیا تھا، یہی صحرانوردی ان کی عربی زبان سے واقفیت، زبان کی سلاست، انداز بیان کی سادگی اور اظہار خیال میں لاگ لپیٹ کے بجائے آزادی کا سبب بنی جو عربوں کا خاص وصف اور طرۂ امتیاز ہے۔

شیخ نے بغداد میں تعلیم حاصل کی، شام کی مسجد بعلبک میں مدرس اپنے زور خطابت سے لرزہ پیدا کرتے رہے[5]، سرزمین عراق سے اپنے عشق و محبت کے گیت سناتے

رہے[6] اور دیار حرم کی زیارت کو مقصد زندگی بتاتے رہے[7] جس سے عربوں سے ان کے تعلق اور دیار عرب سے ان کی محبت کا اظہار ہوتا ہے، عربی زبان سے ان کی گہری وابستگی اور مہارت کا نتیجہ وہ ترجمۂ قرآن پاک بھی ہے جو ان کے نام سے چھپ چکا ہے مگر بعض مورخین و ناقدین اس نسبت کو غلط ٹھہراتے ہیں[8]۔

اسی طرح جب ہم ان کی تصنیفات کا جائزہ لیتے ہیں تو ان کی تحریروں کا بڑا حصہ آیات قرآنی اور احادیث نبوی سے مستعار و ماخوذ معلوم ہوتا ہے، ان میں امثال و حکم عرب کا استعمال انتہائی دلکش انداز سے کیا گیا ہے، یہ وصف عربی کی طرح ان کی فارسی نگارشات میں بھی مکمل طور پر پایا جاتا ہے۔

وہ نہ صرف قرآنی افکار اور احادیث کے مفہوم کو اپنے اشعار و تحریر کے قالب میں ڈھالتے ہیں بلکہ آیات قرآنی، احادیث نبوی اور امثال و حکم عرب کو بعینہ ان ہی الفاظ کے ساتھ اس خوبصورتی سے اپنی تحریروں میں لاتے ہیں جن کو پڑھتے یا سنتے ہی انبساط و اہتزاز اور لطف و لذت کا احساس ہوتا ہے اور ارباب ذوق کو ان کی قوت گویائی، قادر الکلامی اور عربی ماخذ سے واقفیت کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے۔

ہم ذیل میں ان کے چند عربی اشعار پیش کرتے ہیں جو نہ صرف یہ کہ آیات قرآنی اور احادیث نبوی کی ترجمانی کرتے ہیں بلکہ اس میں آیات و احادیث کا نہایت حسین استعمال ہوا ہے مثلاً ان کا ایک شعر:

یقدسون له بالخفی والاعلان   یسبحون بالغدو والآصال

"لوگ آہستہ اور علی الاعلان پروردگار کا تقدس بیان کرتے ہیں اور صبح و شام اس کی تسبیح پڑھتے ہیں"۔

یہ شعر قرآن مجید کی اس آیت سے کس درجہ ہم آہنگ اور مطابق ہے "یُسَبِّحُ لَهٗ فِیْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ"[9]

فلا تحسبن اللہ مخلف وعدہ   بان لهم دار الکرامة والبشر

"تم ہرگز خدا کے وعدے کو غلط نہیں پاؤ گے، بے شک ان لوگوں کے لئے عزت و سربلندی کا ٹھکانہ اور بشارت ہے"۔

اس شعر میں درج ذیل قرآنی آیت کی کیسی حسین رعایت کی گئی ہے "فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ"[10]

ربحت الهدی ان کنت عامل صالح   وان لم تکن والعصر انک فی خسر

یعنی اگر تو نے نیک عمل کیا تو ہدایت کا بہترین نفع حاصل کر لیا اور اگر ایسا نہیں تو بلاشبہ تو خسارے میں ہے۔

اس شعر میں حسب ذیل آیت کریمہ کی مکمل جلوہ گری نظر آتی ہے "والعصر ان الانسان لفی خسر"[11]

لیکن ان کی پرواز فکر نے صرف آیات قرآنی کو ہی اپنی منزل نہیں بنایا بلکہ احادیث نبوی ﷺ کے ذخیروں سے بھی استفادہ کیا اور بڑے خوبصورت طریقہ سے ان کی ترجمانی اس کے الفاظ کی مکمل رعایت کے ساتھ کی، مثلاً ان کا یہ شعر:

وفی الخبر المروی دین محمد   یعود غریبا مثل مبتداء الامر

یعنی حدیث پاک میں آیا ہے کہ "دین محمدی اسی طرح اجنبی ہو جائے گا جس طرح ابتدائے زمانہ میں وہ اجنبی اور غریب تھا"۔

یہ اس حدیث نبوی کی ترجمانی ہے "ان الاسلام بداء غریبا و سیعود کما بدء

فطوبیٰ للغرباء[12] یعنی اسلام اجنبیت کی حالت میں شروع ہوا اور عنقریب ادھر ہی لوٹ جائے گا۔ پس اجنبی لوگوں کے لئے خوش خبری ہے۔

وعترۃ قنطورا فی کل منزل　　　تصیح باولاد البرامک من یشتری

یعنی ہر مقام پہ اہل چین اور ترک خاندان برامکہ کے سلسلہ میں آواز بلند پکارتے پھر رہے ہوں گے کہ کون ہے جو انہیں خریدے۔

یوشک بنو قنطوراء (یعنی الترک والصین) ان یخرجوا اھل العراق من عراقھم[13] سے ماخوذ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ عنقریب بنو قنطورا اہل عراق کو ان کی سرزمین سے نکال دیں گے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "ان جبریل علیہ السلام قال ان للہ دون العرش سبعون حجابا، لو دنونا من احدھا لاحرقتنا سبحات وجہ ربنا"[14]
یعنی جبریل علیہ السلام نے فرمایا خدا اور عرش کے مابین ستر حجاب ہیں اگر ہم ان میں سے کسی سے بھی قریب ہونے کی کوشش کریں گے تو ہمارے پروردگار کا جلال ہمیں خاکستر کر دے گا، جس کو سعدی نے اپنے شعر میں اس طرح ڈھال دیا ہے۔

لو دنت الفکرۃ من جبہ　　　لاحترقت من سبحات الجلال

یعنی اگر کوئی فکر حد پرواز جبریلؑ سے قریب ہو جائے تو پروردگار کا تقدس اور اس کا جلال خاکستر کر کے رکھ دے گا۔

ان اشعار سے صرف ان کی عربی زبان سے واقفیت اور اس پر قدرت دکھانی مقصود تھی۔ آگے ہم ان کی شاعری پر مستقل گفتگو کرتے ہیں۔

عربی شاعری شیخ نے عربی زبان میں اپنے افکار و خیالات کو جس حسن و خوبی

کے ساتھ پیش کیا ہے وہ ان کی شہرت و عظمت کو دوبالا کر دیتا ہے۔ گو ان کے عربی اشعار کی تعداد زیادہ نہیں، تاہم ان میں سلاست و سبک روی کی ایک شان نظر آتی ہے جن میں سے اکثر مدح، مرثیہ اور غزل پر مشتمل ہیں[15]۔ اور ان میں غایت درجہ سادگی اور شائستگی پائی جاتی ہے، جو تکلف اور ابہام سے مبرا ہیں اور یہ طرز ان کی فطری سادگی کا نتیجہ ہے اگرچہ وہ غزل گوئی میں استادی کے درجہ پر فائز ہیں لیکن نکتہ سنجی اور ندرت بیانی سے ان کے دوسرے اصناف سخن بھی خالی نہیں، تشبیہات، تمثیلات، استعارات اور حکم کا ایک سیل رواں ہے، جو امنڈتا چلا جاتا ہے۔

شیخ کے مجموعہ کلام میں متعدد ایسے اشعار ملتے ہیں جو خالص عرب شعراء کی تقلید میں کہے گئے ہیں اور ان میں وہی رنگ و آہنگ اور طرز و ادا نظر آتی ہے جو اس زبان کا امتیازی وصف ہے یعنی جذبہ کی شدت، سادگی بیان کی لطافت اور آزادی خیال وغیرہ۔ جس سے نہ صرف یہ کہ ان کے عربی ذوق کا پتہ چلتا ہے بلکہ اس بات کا بھی اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی نظر عرب شعراء کے دواوین پر کس قدر گہری تھی اور انہیں ان سے کتنی شیفتگی تھی۔ مثلاً سعدی کا یہ شعر:

من ذا یحدث شنی وذم العیس　　　ما للغریب سوی الغریب انیس

یعنی اس وقت جب کہ اونٹوں کی نکیلیں لگا دی گئیں اور رخت سفر باندھ دیا گیا کون ہے جو مجھ سے گفتگو کرے گا، ایک مسافر کا سوائے مسافر کے کوئی دوست نہیں ہوتا۔

یہ عصر جاہلی کے شاعری کے امام امرا القیس متوفی ۵۳۹ء کے اس شعر سے ماخوذ ہے:

اجارتنا وانا غریبان ھھنا　　　وکل غریب للغریب نسیب[16]

یعنی میں اور میرا پڑوسی دونوں یہاں اجنبی ہیں اور ہر اجنبی کا اجنبی ہی دوست ہوتا ہے۔

فرزدق (۲۰ھ۔ ۱۱۴ھ) جو عہد اموی کا عظیم شاعر اور جریر کا حریف بن کر شہرت کی بلندی پر پہونچ گیا تھا کہتا ہے:

وقد یملاء القطر الاناء فیفعم [17] ......

یعنی ایک ایک قطرے سے پورا برتن بھر جاتا ہے۔

سعدی کہتے ہیں:

وقطر علی قطر اذا اتفقت نهر   ونهر علی نهر اذا اجتمعت بحر

یعنی قطرے قطرے سے نہر بن جاتی ہے اور نہر نہر سے مل کر سمندر ہو جاتا ہے۔

اسی طرح عہد عباسی کا ممتاز شاعر ابو العتاہیہ (۱۳۰ھ۔ ۲۱۱ھ) جس کا شمار شعرائے مولدین میں ہوتا ہے، کہتا ہے:

اقلل زیارتک الصدیـ   ـق تکن کثوب تستجده

ان الصدیق یغمه   ان لا یزال یراک عنده [18]

یعنی کوچۂ عاشقاں کے پھیرے ذرا کم لگایا کرو ورنہ اس کپڑے کی طرح ہو جاؤ گے جس کو تم ابھی نیا ہی خیال کر رہے ہو، حالانکہ وہ پرانا ہو چکا، محبوب کا جوش محبت اس شخص کے سلسلہ میں کم ہو جاتا ہے جس کو وہ اپنے پاس برابر دیکھتا ہے۔

سعدی کہتے ہیں:

متی زرت الفتی غبا اجلک   فلا تکثر حبیبک لا یملک

یعنی جب تم کسی نوجوان کے پاس وقفے وقفے سے جاؤ گے تو وہ تمہاری تعظیم کرے گا۔ اپنے محبوب کے پاس بھی کم جایا کرو تاکہ وہ تم سے اکتائے نہیں۔

اسی طرح کا دوسرا عظیم شاعر ابونواس (۱۴۵ھ۔ ۱۹۹ھ) ہے جس کے جام و سبو سے لبریز اشعار نے دنیائے ادب کو مخمور کر دیا ہے، اس نے شراب کے تذکرے اور تعریف میں اس کثرت سے اشعار کہے ہیں کہ اس میں پوری تاریخ ادب میں اس کا کوئی شریک نہیں، وہ کہتا ہے:

ان القلوب اذا تنافر ودها   مثل زجاجة کسرها لا یجبر

یعنی دل جب کسی کی نفرت سے لبریز ہو جاتا ہے تو وہ اس شکستہ آبگینہ کی مانند ہو جاتا ہے جسے جوڑا نہیں جا سکتا۔

سعدی کہتے ہیں:

ولا سیما قلبی رقیق زجاجة   وممتنع وصل الزجاج لدی الکسر

یعنی میرا دل باریک آبگینہ کی مانند ہے جس کے ٹوٹ جانے کے بعد جوڑنا غیر ممکن ہے۔

ابوتمام (۱۸۸۔ ۲۳۱ھ) جس کی کوششوں سے عربی شاعری کی تاریخ سمٹ کر یک جا ہو گئی ہے جس نے "الحماسۃ" جیسے مجموعہ کلام کو وجود دے کر اپنے نام کو تاریخ ادب میں جاوداں بنا دیا کہتا ہے:

لولا اشتعال النار فیما جاورت   ما کان یعرف طیب عرف العود [19]

یعنی اگر آگ اپنے پاس پڑوس کی چیزوں کو اپنی لپیٹ میں نہ لے تو عود کی خوشبو کو پہچاننا مشکل ہو جائے گا۔

سعدی کہتے ہیں:

وحرقة قلبی هیجتنی نشرها   کما فعلت نار المجامر بالعطر

یعنی میرے دل میں فروزاں آتش محبت اس طرح خوشبو بکھیرتی ہے جس طرح مجمر کو

آگ سے خوشبو اٹھتی ہے۔

موید الدولہ کا وزیر صاحب بن عباد (۳۲۶ - ۳۸۵ھ) جس کو اس کے ذوق شعر وسخن نے عربی زبان وادب کا امام بنا دیا کہتا ہے۔

عجبا للمحب کیف ینام　　　کل نوم علی المحب حرام[۲۱]

یعنی حیرت ہے عاشق زار کو کیسے نیند آجاتی ہے جب کہ ہر عاشق پر نیند حرام ہے۔

سعدی کہتے ہیں:

یا صاح متی یرجع نومی وقراری　　　انی وعلی العاشق هذان حرامان

یعنی اے دوست میری راتوں کی نیند اور دل کا قرار کب لوٹے گا مجھ پر اور عاشق پر یہ دونوں چیزیں حرام ہو کر رہ گئی ہیں۔

لیکن وہ سب سے زیادہ متاثر عہد عباسی کے ممتاز شاعر متنبی (۳۰۳ - ۳۵۴ھ) سے نظر آتے ہیں اور انہوں نے بہت سے اشعار اسی کی تتبع وتقلید میں کہے ہیں مثلاً سعدی کا یہ شعر:

اکاد اذا تمشی لدی تبخترا　　　اموت واحیا ان مررت علی قبری

یعنی میرا محبوب جب ناز وانداز کے ساتھ میرے پاس سے گزرتا ہے تو میں مر جاتا ہوں اور اگر اسی طرح وہ میری قبر کے پاس سے گزرے تو میں زندہ ہو جاؤں۔

متنبی کے اس شعر سے کس قدر مماثلت رکھتا ہے۔

فذقت ماء حیاة من مقبلها　　　لو صاب تربا لاحیا سالف الامم[۲۲]

یعنی میں نے محبوب کے ہونٹ سے زندگی کا پانی چکھا ایسا پانی کہ اگر وہ زمین پر ٹپک جاتا تو گزشتہ قومیں زندہ ہو جاتیں۔

اسی طرح متنبی کہتا ہے:

وابن التی للسحر فی لحظاتها　　　سیوف ظباها من دمی ابداً حمر

انہوں نے اس کو دیکھ لیا جس کی نگاہوں میں جادو کی تلوار ہے کہ اس کی دھار میرے خون سے ہمیشہ سُرخ رہتی ہے۔

سعدی کہتے ہیں:

واسفرت البراقع عن خدود　　　اقول تحمرت بدم الکبود

یعنی جب رخسار سے پردہ ہٹا تو میں نے کہا کہ وہ جگر کے خون سے سُرخ ہو چکا ہے۔

اسی طرح سعدی کا یہ شعر:

ان لیل الوصال صبح مضئی　　　ونهار الفراق لیل بهیم

یعنی شب وصال صبح تاباں کی طرح منور ہوتی ہے اور جدائی کا دن شب دیجور کی مانند تاریک

متنبی کے اس شعر سے کس قدر ہم آہنگ ہے۔

فان نهاری لیلة مد لهمة　　　علی مقلة من فقدکم فی غیاهب

یعنی تاریکیوں میں تمہارے چھپ جانے کے بعد میرا دن بھی میری نگاہ میں سیاہ رات کی مانند ہے۔

مذکورہ بالا اشعار کی نقل کا مقصد یہ نہیں ہے کہ سعدی بڑے مقلد ہی تھے بلکہ عربی شاعری سے ان کی شیفتگی اور تعلق کو واضح کرنا ہے اس لئے کہ انہوں نے بعض ایسے موضوعات پر بھی طبع آزمائی کی ہے جن کی ایجاد واختراع کا سہرا ان ہی کے سر بندھتا ہے۔

مرثیہ: یہ عربی شاعری کی ایک محبوب صنف سخن ہے جس میں پوری قوت گویائی

اور مبالغہ آرائی سے کام لیا جاتا تھا۔ اہل عرب کے ذہن کو اس سے تشفی و تسکین حاصل ہوتی ہے، عربی شاعری کا بڑا حصہ اس سے معمور ہے اور ابتدا ہی سے اس کی طرف خاص توجہ کی جاتی رہی ہے، لیکن اس صنف سے خاص تعلق اور وارفتگی کے باوجود ان کا طائر تخیل اشخاص اور افراد کی مرثیہ گوئی سے آگے پرواز نہ کرسکا۔ سعدی پہلے شخص ہیں جنھوں نے اس صنف میں جدت اختیار کی اور اشخاص و افراد کے علاوہ قوم، ملک اور شہر کا بھی مرثیہ کہا۔

۱۹۲ اشعار پر مشتمل شہر بغداد کا مرثیہ لکھ کر انھوں نے مرثیہ گوئی کی ایک نئی صنف کی طرح رکھی جس سے اہل عرب ناواقف تھے، اس مرثیہ میں بھی دقت خیال، نزاکت بیان، فصاحت الفاظ، بلاغت معانی اور سادگی اسلوب کا حسین امتزاج نظر آتا ہے اور اس کی رعنائی و دلکشی دیکھ کر خیال ہوتا ہے کہ بنو غطفان کا کوئی شخص یا قبیلہ بنو سعد و ہوازن کا پروردہ یہ اشعار کہہ رہا ہے جسے عرب کے بادیہ نشینوں کی صحبت حاصل رہی ہے، چند اشعار پیش ہیں۔

حبست بجفنی المدامع لا تجری   فلما طغی الماء استطال علی السکر

نسیم صبا بغداد بعد خرابها   تمنیت لو کانت تمر علی قبری

لان هلاک النفس عند اولی النهی   احب له من عیش منقبض الصدر

وفائز دمعی فی مصیبة واسط   یزید علی مد البحیرة والجزر

تزاحمت الغربان حول رسومها   فاصبحت العنقاء لازمة الوکر

علی المرء عار کثرة المال بعده   وانک یا مغرور تجمع للفخر

(ترجمہ) میں نے آنسوؤں کو اپنی پلکوں پر روک رکھا تھا کہ وہ بہہ نہ سکیں لیکن جب

اس کے سیلاب میں طغیانی پیدا ہوئی تو اس نے سارے بند توڑ ڈالے، اے کاش بغداد کی بربادی و تباہی کے بعد اس کی ہوا کا جھونکا میری قبر پر گزرتا، کیونکہ دانش مندوں کے نزدیک مرجانا گھٹن کے ساتھ جینے سے زیادہ بہتر ہے، میرے آنسو جو شہر واسط کی ویرانی و تباہی پر جاری ہیں، خلیج فارس کے مد و جزر کو مزید بڑھادیتے ہیں، کوے اس کے کھنڈرات کے درمیان نوچ کھسوٹ کررہے ہیں اور عنقا اپنے گھونسلے میں پناہ گزیں ہوچکا ہے، شہر بغداد کی بربادی و تباہی کے بعد مال و اسباب کا جمع کرنا انسان کے لئے باعث ننگ و عار ہے، مگر اے غافل انسان تو محض فخر کے لئے مال جمع کررہا ہے۔

غرض یہ بالکل اچھوتا اور منفرد موضوع ہے جس کے ذریعہ سعدی نے سخن طرازی کی ایک نئی راہ دکھائی اور عصر جدید کے عربی شعراء نے اس کی اتباع و تقلید میں اس کثرت سے اشعار کہے کہ عربی ادب کا دامن زبان و ادب کے لعل و گہر سے بھر گیا۔ عصر جدید کے ممتاز ترین عرب شعراء میں شوقی نے اندلس کا، بارودی نے مصر کا، شیخ ابراہیم الدباغ نے فلسطین کے ہولناک مناظر کا مرثیہ لکھا، پھر کاروان مہجر نے جن کے قلوب اشتیاق وطن اور جذبۂ قومی سے لبریز تھے اسی مضراب سخن پر حدی خوانی کا ایسا نغمہ چھیڑا جس نے دنیا کی آنکھوں سے خون کے آنسو ٹپکا دئے۔ یہ تمام اساطین شعر و ادب اسی درسگاہ فکر کے تربیت یافتہ تھے، جس کی بساط سعدی نے بچھائی تھی۔

اسی طرح غنا جو شاعری کی روح ہے اور جس کے ذریعہ شعر میں زندگی پیدا ہوتی ہے، جو صاحب دل کے لئے نشاط روح کا سبب بنتی ہے، جب سعدی کی زبان پر آتا ہے تو یہ قصیدہ وجود میں آتا ہے۔

یا ندیمی قم بلیل واسقنی واسق الندامی   خلنی اسهر لیالی ودع الناس نیاما

اے میرے ساقی رات ہو چکی اب مجھ کو محبت کے جام پلا کر میری راتوں کی نیند چھین لے اور دوسروں کو خوابیدہ چھوڑ دے۔

فی زمان یسجع الطیر علی الغصن رخاما — واوان کشف الورد من الوجہ اللثاما

ایسے وقت میں جب کہ شاخوں پر پرندوں کے نغمے مانند پڑ جائیں اور گلاب اپنے چہرے سے نقاب الٹ دیتا ہے۔

قل لمن عیرا هل الحب بالجهل ولاما — لا عرفت الحب هیهات ولا ذقت الغراما

اس شخص سے کہہ دو جو کہ جہالت و نادانی کی وجہ سے محبت کرنے والوں کو عار دلاتا اور ملامت کرتا ہے کہ افسوس نہ تم نے محبت کو پہچانا اور نہ سوزش محبت کا مزا چکھا۔

یہ وہ قصیدہ ہے جسے ایک خاص انداز ترنم میں لکھا گیا ہے اور ایسی رقت و نغمگی پیدا کر دی گئی ہے جو دلوں کو مسحور کر دیتی ہے، اس کو پڑھتے یا سنتے ہی طبیعت پر ایک خاص کیفیت طاری ہو جاتی ہے اور انسان تھوڑی دیر کے لئے تفکرات کی دنیا سے غافل ہو کر وجد و کیف کے عالم میں ڈوب جاتا ہے اور پھر اس کی اثر انگیزی ماہی بے آب کی طرح اس کو تڑپانے لگتی ہے۔

غزل : اس کو لکھنے کے لئے سعدی نے اس سیاہی کا انتخاب نہیں کیا جو بازار کی بوتلوں میں دستیاب ہے بلکہ ان کا قلم اس خون دل کی طرف بڑھا جو سوزش محبت میں جل کر سیاہ ہو چکا ہے اور طائر تخیل نے اس بلندی پر اپنا بسیرا کیا جہاں پہنچ کر سعدی کہتے ہیں۔

رضینا من وصالک بالوعود — علی ما انت ناسیة العهود

یعنی اے ظالم چاہے تو وعدہ کر کے بھول جا مگر اپنے ملنے کا وعدہ تو کر دے میں اسی سے خوش ہو جاؤں گا۔

تلمیع : یہ فن بدیع کی ایک قسم ہے جس میں شعر کے دونوں مصرعے دو مختلف زبان میں ہوتے ہیں یعنی ایک عربی میں اور ایک فارسی میں یا ایک شعر عربی میں اور ایک شعر فارسی میں .... جس کو ملمع کہتے ہیں۔

اس صنف کا رواج کب ہوا؟ یہ تو بتانا مشکل ہے تاہم چوتھی صدی ہجری کے بعد سے عجمیوں نے فارسی آمیز عربی یا عربی آمیز فارسی اشعار کہنا شروع کر دیا تھا، اس سلسلے میں انوری، جامی، سعدی، خسرو اور حافظ ممتاز ہیں۔ لیکن ان سب میں سعدی نے جس خوبصورتی کے ساتھ اس صنف سخن میں طبع آزمائی کی ہے اس نے ان کو ان کے تمام معاصرین میں ممتاز ترین بنا دیا ہے، یہ ان کے کلیات میں ایک الگ مجموعہ کی شکل میں "ملمعات" کے نام سے شامل ہے، یہاں چند کا ذکر کیا جاتا ہے۔

بکی العذول علی ماجری لاجفانی — رفیق غافل از یں ماجرا چہ غم دارد؟

اسی طرح :-

آفتابست آں پری رخ یا ملائک یا بشر — قامتست آں یا قیامت یا الف یا نیشکر

هد صبری ما تولی رد عقلی ما نشا — صار قلبی ما تمشی زاد وجدی ما عبر

نیز :

وقتها یکدم برآسودی تنم — قال مولائی لطفی لا تنم

یا غریب الحسن رفقا بالغریب — خون درویشاں مریز ای محتشم

یہ وہ اشعار ہیں جن میں عجم کی فکر اور حجاز کی لے دونوں کا حسین امتزاج نظر آتا ہے اور ان میں شعری محاسن اور فنی کمال بھی ہیں۔

باوجودیکہ سعدی نے اپنا محرم راز فارسی زبان کو بنایا، لیکن ان کے گیسوئے تابدار کو

عربی شالوں سے سنوارتے رہے اور اس کی زلف گرہ گیر کو ان پھولوں سے سجاتے رہے جو باغ عجم میں نہیں بلکہ چمنستان عرب میں کھلتے ہیں، جن کی خوشبوؤں نے وہاں کے ہر کوچہ و بازار کو معطر و جانفزا کر دیا تھا، جس کی رعنائی و زیبائی اور دل کشی و دل نوازی فارسی پیرہن سے آراستہ ہو کر ارباب ذوق اور اصحاب نظر سے داد تحسین وصول کر رہی ہے، اس طرز حجازی میں سعدی کی ژرف نگاہی اور وسعت نظری بھی شامل ہے کہ انہوں نے اس زبان کو اپنی فکر کی جولانگاہ بنایا جو زمانہ کی ضرورت اور وقت کا تقاضا تھا۔ ورنہ جیسا کہ سطور بالا سے معلوم ہوا ان کی عربی زبان پر قدرت اور اس میں اظہار خیال کی صلاحیت مسلم ہے، ان کے یہاں زبان کی روانی، الفاظ کی شیرینی، جوش و جذبہ، عبرت و نصیحت اور شریعت و طریقت کا ایسا تاج محل ہے جس کے سامنے شاہجہاں کی محبت اور تاج کا حسن دونوں پھیکا پڑ جاتا ہے، جس سے کوئی بھی صاحب ذوق محظوظ ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

لیکن ان خوبیوں کے باوجود شیخ سعدی کی زندگی کا اس حیثیت سے بہت کم مطالعہ کیا گیا اور سوائے ان چند اشعار کے جو ان کی کتاب "گلستاں" اور "بوستاں" میں درج ہیں، کم لوگوں کو یہ معلوم ہو سکا کہ ان کا عربی شاعری میں کیا درجہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ مشہور سیاح ابن بطوطہ جیسے وسیع النظر شخص نے شیخ کے انتقال کے تقریباً ۳۶ سال بعد شیراز کا سفر کیا تو اپنے سفر نامہ میں یہ لکھا "الشیخ الصالح المعروف بالسعدی کان اشعر اھل زمانہ باللسان الفارسی و ربما الم فی کلامہ بالعربی"[۲۳] یعنی شیخ سعدی اپنے زمانے میں فارسی کے بہت بڑے شاعر تھے جو کبھی کبھی اپنے کلام کے ساتھ عربی اشعار بھی شامل کر دیتے تھے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کے سامنے

صرف وہی اشعار تھے جو گلستاں و بوستاں میں شامل ہیں اور ان کے قصائد اور غزلیں اس کی نگاہوں سے مخفی رہیں:

ان استحسنت ھذا القول بعدی — قل اللھم نور قبر سعدی

(سعدی)

حواشی

[۱] فرہنگ آنند راج کی دوسری جلد صفحہ نمبر ۹۹۸ پر تاجیک کا معنی "عرب زادہ کہ در عجم کلاں شود" لکھا ہے لیکن فرہنگ عمید میں اس سے زیادہ واضح الفاظ میں یہ تحریر موجود ہے "اولاد عرب کہ در عجم پرورش یافتہ و بزرگ شدہ باشد تازیک و تاژیک و تاذک و تاجک ہم گفتہ اند" [۲] تاریخ ادبیات ایران از پروفیسر براؤن ص ۳۴۶ [۳] شعر العجم جلد چہارم ص ۱۰۸، اصحاب معلقات میں سے عمرو بن کلثوم کے معلقہ کا یہ مطلع ہے [۴] معارف جلد ۳۱ جنوری ۱۹۳۳ء ص ۳۵۔ اس مضمون کو علامہ سید سلیمان ندوی نے بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا بلکہ اسی مضمون کے ذریعہ سعدی کے سرائے اغلمش کا سراغ پایا، جیسا کہ تحریر فرماتے ہیں:۔ "ایک مدت سے کاوش تھی کہ شیخ سعدی نے گلستاں کے پہلے ہی باب میں جس اغلمش کا ذکر کیا ہے اس سے کون سا بادشاہ مراد ہے اور وہ کہاں فرمانروا تھا اور آیا یہ کوئی فرضی ہستی ہے یا کوئی تاریخی شخصیت، اتفاق سے ہمارے مخلص و کرم فرما اور فاضل صاحب قلم مولوی اعجاز حسن خاں صاحب نے ان دنوں شیخ سعدی پر جو دو مضمون معارف میں لکھے تو اس نیک فال نے مدت کی کاوش و کاہش کو دل سے نکل جانے کا موقع دیا اور سرائے اغلمش کا سراغ پالیا (از معارف فروری ۱۹۳۳ء ص ۱۲۰) [۵] حالی نے حیات سعدی میں انہیں کی زبانی ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ میں ایک دفعہ جامع بعلبک میں وعظ کہہ رہا تھا اور اہل مجلس نہایت افسردہ دل تھے جن کو کچھ اثر نہ ہوتا تھا، میں اس آیت کا معنی بیان کر رہا تھا "نحن اقرب الیہ

من حبل الورید" کہ ایک راہ رو وہاں سے گزرا، اس نے میرا بیان سُن کر ایسا پُرجوش نعرہ مارا کہ اور لوگ بھی اس کے ساتھ چت ہوگئے" اور تمام مجلس گرم ہوگئی"۔

[۶] بعد از عراق جائے خوش ندیدم ہوائے — ساقی بزن نوائے زاں پردۂ عراقی

[۷] سفر کردہ بودم زبیت الحرام — در ایام ناصر بدار السلام

شبی رفتہ بودم بکنجی خراز — بچشمم در آمد سیاہی دراز

[۸] معارف جون ۱۹۸۹ء ص ۳۳۴ از پروفیسر نذیر احمد علی گڑھ [۹] سورہ نور آیت نمبر ۳۶ [۱۰] سورہ ابراہیم آیت نمبر ۳۴ [۱۱] سورۃ العصر آیت نمبر ا و ۲ [۱۲] جامع ترمذی ابواب الایمان [۱۳] البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۲۷۹ [۱۴] ایضاً ۲/۱۴۱ [۱۵] شیخ کے عربی اشعار ان کی کلیات میں الگ سے عربی قصائد کے عنوان سے جمع کر دئے گئے ہیں جو تینتیس (۳۳) قصیدوں پر مشتمل ہیں، اس کے علاوہ متفرق اشعار کی بھی ایک بڑی تعداد ہے جو ان کی کلیات گلستاں اور بوستاں میں بکھرے پڑے ہیں۔ گلستاں کے جملہ عربی اشعار جن کی مجموعی تعداد ۴۴ ہے انہیں کے ہیں جس کا تذکرہ انھوں نے اس کے مقدمہ میں کیا ہے، اسی طرح بوستاں میں بھی عربی اشعار پائے جاتے ہیں، لیکن اس میں ملمعات کی تعداد زیادہ ہے [۱۶] شرح دیوان امرئ القیس ص ۵۵ [۱۷] دیوان فرزدق ص ۱۶۴ والحماسہ ص ۱۳۶ [۱۸] دلائل الاعجاز ص ۳۸۱ [۱۹] الطرائف واللطائف ص ۱۵۰ [۲۰] دیوان ابی تمام ص ۶۵ [۲۱] الرسالۃ القشیریہ ص ۱۴۰ [۲۲] متنبی کے جملہ مذکورہ اشعار اس کے دیوان سے ماخوذ ہیں [۲۳] رحلۃ ابن بطوطہ ص ۱۲۹۔

مولانا عبدالماجد دریابادی کی ایک نامکمل قرآنی کاوش

از جناب جشید احمد ندوی *

بیسویں صدی کا نصف آخر اس لحاظ سے بہت ممتاز ہے کہ اس عہد میں آسمانِ علم و ادب پر ماہ و انجم کی ایک کہکشاں پھیلی ہوئی ہے، جس کی تشکیل متعدد اور مختلف النوع اصحاب علم و فن کے اجتماع سے ہوئی تھی۔ اس عظیم کہکشاں کے ایک روشن ستارہ نے مولانا عبدالماجد دریابادی رحمۃ اللہ علیہ (۱۸۹۲ء۔ ۱۹۷۷ء) کا قالب اختیار کر لیا تھا، جس کی شمولیت نے اس کہکشاں کو مزید حسن و رعنائی عطا کر دی تھی۔

مولانا عبدالماجد دریابادی کی شخصیت ان کے معاصرین و ہم عصروں میں مختلف النوع خصوصیات کی وجہ سے بہت ہی قد آور اور ممتاز تھی۔ انہیں اللہ تعالیٰ نے متعدد صلاحیتوں سے نوازا تھا اور قسامِ ازل کی طرف سے کتاب الٰہی کی خدمت اور شرح و تفسیر بھی ان کے حصے میں رکھی گئی تھی، اسی لئے فلسفہ کی زلف پریشاں کو سنوارتے سنوارتے بھی وہ اس میں الجھے نہیں بلکہ اس کے دام حسن سے اپنے آپ کو صاف بچالے گئے اور توفیق الٰہی کے نتیجہ میں قرآن کے آستانہ کو یوں پکڑا کہ اپنی ساری زندگی اسی در پر نچھاور کر دی اور اپنی ساری عمر کی کمائی ایک بیش بہا تفسیر کی شکل میں اللہ کے حضور پیش کر دی کہ یہی میری ساری زندگی کا ماحصل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی اسے اپنے حضور سند قبولیت سے نوازا کہ عصر حاضر کی مختصر

* شعبہ عربی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ۔

اردو تفاسیر میں اس جیسی مقبولیت کم تفسیروں کو ملی۔ یہ عصر حاضر کے اسلوب اور پیرایہ بیان میں ہی سپرد قلم کی گئی ہے اس کی اہمیت یوں مزید بڑھ جاتی ہے کہ وہ مولانا عبدالماجد دریا آبادی جیسے صاحب طرز ادیب کی مرہون قلم ہے، اگر قرآن مجید عربی زبان کا شاہکار ہے تو ان کی تفسیر اردو زبان کا شاہکار ہے، قاری قدم قدم پر اس زبان کے حسن بیان اور دل کش اسلوب سے لطف اندوز ہوتا ہے اور وہ ان کے ساحرانہ اسلوب میں کھو سا جاتا ہے۔

مولانا دریا آبادی نے اپنی ساری عمر کتاب اللہ کے مطالعہ میں گزار دی اور تفسیر کے علاوہ اس کے متعدد پہلوؤں کو ساحرانہ اسلوب میں پیش کیا۔ ان کے سامنے قرآن کے متعدد پہلوؤں پر مزید کام کرنے کا منصوبہ تھا لیکن عمر نے وفا نہ کی۔ اس دعویٰ کی دلیل میں یہ ثبوت پیش کیا جا سکتا ہے کہ انہوں نے "لغات القرآن" پر کام کرنا شروع کر دیا تھا جس کا مکمل مسودہ ابھی چند روز پہلے ہی ان کے قابل قدر پرنواسے محترم نعیم الرحمن صدیقی ندوی صاحب کی کاوشوں سے دستیاب ہو سکا ہے جنھیں اپنے پرنانا کی تحریروں یا با الفاظ دیگر "ماجدیات" سے اتنی دلچسپی ہے کہ وہ اس سلسلہ کی سطر سطر بلکہ حرف حرف محفوظ کرنے کے خواہش مند ہیں۔ اللہ انہیں ان کے عزائم کی تکمیل کے لئے مواقع فراہم کرے کہ اس طرح "ماجدیات" کا معتدبہ حصہ محفوظ ہو جائے گا جو یقیناً اسلامی ادب کا گراں قدر سرمایہ ہوگا۔

لغات القرآن کا جو مسودہ دستیاب ہوا ہے وہ بالکل ابتدائی مرحلہ کا ہے۔ اس میں قرآنی الفاظ باعتبار حروف تہجی یکجا کر دئے گئے ہیں اور ان کے حوالے حاشیہ میں دے دئے گئے ہیں کہ وہ کہاں کہاں اور استعمال ہوئے ہیں۔ مولانا نے اس کے بالکل ابتدائی حصہ میں اپنے قلم سے کہیں کہیں اس کے انگریزی معنی لکھ دئے ہیں لیکن زیادہ تر صفحات اس لحاظ سے بالکل سادہ ہیں کہ ان پر مولانا نے کسی قسم کی کوئی تحریر نہیں لکھی ہے۔

لغات القرآن کا جو مسودہ دستیاب ہوا ہے اسے مولانا کو چھوڑ کر کم از کم دو افراد نے نقل کیا ہے۔ کاتبین نے صرف یہ کیا ہے کہ اپنے حصہ کا کام مکمل کر کے مولانا کے حوالے کر دیا تھا اور مولانا نے اس پر حاشیے چڑھائے ہیں۔ جیسے لفظ جمیل سورہ یوسف میں استعمال ہوا ہے تو کاتب حضرات نے صرف اتنا لکھا جمیل اور اس کے حوالے حاشیئے میں دئے کہ وہ کہاں کہاں استعمال ہوا ہے۔ مثلاً "پ۱۲" مولانا نے بین السطور توسین میں اور کبھی بغیر توسین کے یہ لکھ دیا سورۂ یوسف ۲ یعنی یہ لفظ سورۂ یوسف کے دوسرے رکوع میں استعمال ہوا ہے۔ جب کہ اول الذکر رمز کا مطلب یہ تھا کہ بارہویں پارہ کے بارہویں رکوع میں یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔ گویا مولانا نے اس کے مقام استعمال کی مزید تعیین کر دی، لیکن مولانا سارے قرآنی الفاظ کی تعیین مذکورہ بالا طرز پہ نہ کر سکے کہ بہت سے صفحات پہ صرف وہی موجود ہے جو کاتب حضرات نے لکھ دیا تھا، البتہ جو حصے مولانا کے ہاتھوں کے لکھے ہوئے ہیں وہ اس اعتبار سے مکمل ہیں کہ انہوں نے سورہ کے رکوع کے اعتبار سے لفظ کی تعیین کر دی ہے۔ اس میں انہوں نے وہی طریقہ کار استعمال کیا ہے جو مولانا کاتبین کے لکھے صفحات پر بین السطور میں اختیار کرتے ہیں۔

لغات القرآن کے اس مسودہ سے حسب ذیل امور کا پتہ چلتا ہے:

۱۔ الفاظ کی ترتیب میں حروف تہجی کا اعتبار کیا گیا ہے حتیٰ کہ احسان اور احسانا کو بھی حروف تہجی کے اعتبار سے مقدم و موخر ذکر کیا گیا ہے۔

۲۔ مسودہ کے بالکل ابتدائی حصہ میں الفاظ کے آگے مولانا نے اپنے قلم سے اس کے یعنی انگریزی میں لکھ دئے ہیں اور اس کا حوالہ نقل کر دیا ہے کہ وہ کہاں استعمال ہوا ہے۔ جو لفظ کئی جگہ استعمال ہوا ہے اس کے مختلف معانی موقع و مناسبت کے حساب سے

نقل کئے ہیں۔ جیسے اختلفوا سورۂ بقرہ میں تین[۳] جگہ استعمال ہوا ہے اور ہر جگہ الگ الگ معنی میں استعمال ہوا ہے تو مولانا نے بھی اس کا اعتبار کرتے ہوئے اس کے مختلف معانی ذکر کئے ہیں اور ہر معنی کے بعد حوالہ نقل کیا ہے۔ کہ اس لفظ کے معنی یہاں یہ ہیں اور دوسری جگہ اس کے معنی یہ ہیں تاکہ اس کے مختلف معانی کو سمجھنے میں دشواری نہ ہوسکے اور اس کے صحیح ترین معنی سمجھ میں آسکیں۔ جیسے اختلفوا کے معنی لکھتے ہیں

DIFFER (بقرہ ۲۱) DISPUTED (بقرہ ۲۶) THEY DIFFERED (بقرہ ۳۳)

اجعل کے معانی بیان کئے ہیں :

MAKE (بقرہ ۱۵) PUT (بقرہ ع ۳۵) APPOINT (آل عمران ۴)

احد کے معنی نقل کئے ہیں :

ALONE (بقرہ ۱۲) ANY (بقرہ ۱۶) ANYONE (آل عمران ۸) ONE (نساء ۷)

احدکم کے معنی نقل کئے ہیں- ONE OF YOU (بقرہ ۲۲) OF YOU ANY (بقرہ ۲۶)

ان دونوں الفاظ کو سامنے رکھتے ہوئے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے معانی بیان کرتے ہوئے ضمائر کا بھی خیال رکھا ہے۔ لیکن بسا اوقات وہ ضمائر کا خیال رکھے بغیر ہی اس کے معانی نقل کر دیتے ہیں جیسے اجل اور اجلہ دونوں کے معنی TERM ہی نقل کئے ہیں لیکن اس کی مثال نہ ہونے کے برابر ہے۔

احق کے معنی ذکر کئے ہیں:

MORE ENTILLED (بقرہ ۲۸) MORE WORTHY (بقرہ ۳۲)

مولانا کا یہ طریقہ کار بالکل ابتدائی حصہ میں نظر آتا ہے آخری صفحات اس سے بالکل خالی ہیں۔ ایک صفحہ پر ایک یا دو اور بسا اوقات کئی کئی لفظ کے معانی انگریزی میں مذکور ہیں۔ تاہم ان کی تعداد اس اعتبار سے بہت ہی کم ہے کہ اکثر الفاظ کے معانی مذکور نہیں ہیں۔

مولانا معنی نقل کرنے کے بعد جو حوالہ نقل کرتے ہیں اس سے مراد اس سورہ کا ندکورہ رکوع ہے نہ کہ آیت نمبر۔

۳۔ کسی بھی لفظ کے معنی اردو میں مذکور نہیں ہیں۔

۴۔ ہر لفظ کا حوالہ ذکر کیا گیا ہے کہ وہ کہاں کہاں استعمال ہوا ہے اس ضمن میں ایک طریقہ وہ ہے جو کاتب حضرات اختیار کرتے ہیں کہ کس پارہ کے کس رکوع میں یہ لفظ استعمال ہوا ہے جب کہ دوسرا طریقہ مولانا کا ہے کہ کس سورہ کے کس رکوع میں یہ لفظ استعمال ہوا ہے دونوں طریقے ساتھ ہی ساتھ درج ہیں۔ جیسے "جمیل" کے متعلق مسودہ میں یوں نقل ہے،

"جمیل" ۱۸۲۰ حاشیہ میں ۱۸۲۰ کے بعد لکھا ہے ۱۱/۱۲، ۱۳/۴، ۱۴/۶،

مولانا نے بین السطور حوالہ کے نیچے قوسین میں یہ وضاحت کر دی (یوسف ۲)، (یوسف ۱۰)، (حجر ۶) جس سے مراد یہ ہے کہ یہ لفظ سورہ یوسف کے دوسرے اور دسویں اور سورہ حجر کے چھٹے رکوع میں آیا ہے جب کہ اول الذکر رمز کا مطلب یہ ہے کہ یہ لفظ بارہویں پارے کے بارہویں رکوع، تیرہویں پارے کے چوتھے رکوع اور چودہویں پارے کے چھٹے رکوع میں استعمال ہوا ہے۔

اگر مولانا کو سورہ کے نام کے سلسلہ میں کوئی شک ہوا ہے تو وہ حوالہ نقل کرنے کے بعد سوالیہ نشان لگا دیتے ہیں۔ اس کی صرف ایک مثال مسودہ میں مل سکی ہے، جیسے حاشیہ نمبر ۴۲۸ پر کاتب نے ۴/۳ لکھا ہے اور مولانا نے قوسین میں آل عمران ۱۶ لکھ کر آگے

سوالیہ نشان لگا دیا ہے۔

۵۔ کسی بھی حرف کے تحت ذکر کئے جانے والے الفاظ سے قبل اس کا عنوان نقل کرتے ہیں جیسے باب الخاء المعجمۃ، باب الدال المھملۃ۔

۶۔ آیت نمبر کا حوالہ دینے کے بجائے رکوع نمبر کا حوالہ دیا گیا ہے۔

۷۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ انہوں نے اس لغت کو دو حصوں میں تقسیم کیا تھا اور ہر حصہ کی کئی جلدیں تھیں جیسے پہلا حصہ حرف عین پر منتہی ہوتا ہے کہ وہاں تک کے صفحات نمبر مسلسل ہیں اور اسی حرف پر چوتھی جلد ختم ہو جاتی ہے۔ حرف غین سے صفحات کی ترتیب ازسرنو شروع ہوتی ہے اور اس بات کی وضاحت مذکور ہے کہ وہ پانچویں جلد ہے۔

سوال یہ اٹھتا ہے کہ مولانا نے اس کام کی ابتدا کب کی تھی اور ان کے سامنے اس کا کیا منصوبہ تھا، اس کے اسباب و محرکات کیا تھے؟ آیا وہ دیگر کتب لغات قرآنی کی طرح محض ایک لغت تیار کرنا چاہتے تھے یا ان کے سامنے اس کے ماسوا بھی کوئی منصوبہ تھا؟

ان سوالوں اور ان کے مماثل دیگر سوالوں کے تفصیلی جوابات تو اس مسودہ کی روشنی میں فراہم کرنا مشکل ہیں تاہم صدق جدید لکھنؤ (۱۴ مئی ۱۹۶۵ء ص ۵) اور آپ بیتی (ص ۳۰۰) کے صفحات سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ تفسیر سے فراغت حاصل کرنے کے بعد تقریباً وفات سے بارہ سال پہلے بنایا تھا۔

اس منصوبہ کا اول اول خیال مولانا کو مئی ۱۹۶۵ء میں آیا جب ان کی نظر کے سامنے سے ایک غیر معروف انگریز مصنف جان پن رائس (JOHN PINRICE.B.A) کی کتاب "سلک البیان فی مناقب القرآن" گزری جو بظاہر مناقب قرآن پر عربی میں لکھی ہوئی کوئی کتاب معلوم ہوتی ہے۔ لیکن دراصل قرآنی لغات پر مشتمل ایک مختصر کتاب (کل

صفحات ۱۶۶) ہے جو بقول مولانا "انگریز طلبہ قرآن کے خاصے کام کی ہیں":

اس کتاب کے اختصار اور دیگر علمی نقص کو دیکھ کر مولانا کے ذہن میں لغات قرآنی پر مشتمل ایک کتاب تیار کرنے کا خیال آیا تھا جو خواہش بن کر صدق جدید میں یوں سامنے آیا۔

"کاش زندگی اور ہمت دونوں اتنا ساتھ دیتیں کہ اس کتاب کی ساری کوتاہیوں کو دور کرنے اور اس کی ضخامت کو موجودہ حالت سے کہیں بڑھا کر یہ ناکارہ اور نامہ سیاہ ایک خدمت قرآنیات کے سلسلہ میں اور کر جاتا لیکن ہر حوصلہ کا پورا ہونا اور ہر آرزو کا بر آنا انسان کی تقدیر میں کہاں لکھا ہے، کتنی ہی حسرتیں اسی رنگ کی خدمت کی ساتھ لئے اس خاکدان سے کوچ کرنا ہے۔ بہرحال یہ بھی ایک چھوٹا سا کام کر ڈالنے کا ہے اور عجب کیا ہے کہ بعد کے کسی آنے والے کو اس کی توفیق بہم پہنچ ہی جائے"۔

مولانا نے "سلک البیان" پر یہ تبصرہ ۱۴ مئی ۱۹۶۵ء کو وفات سے تقریباً بارہ سال قبل صدق جدید میں لکھا تھا۔ اس وقت سے وہ مسلسل غور کرتے رہے ہوں گے اور نتیجتاً اس کا دستیاب شدہ مسودہ بھی تیار کر لیا تھا۔ اس کی شہادت آپ بیتی کے صفحات بھی دیتے ہیں

"ایک ہلکی سی امید اس کی بھی پڑی تھی کہ ایک انگریزی کتاب اپنے ہی انگریزی ترجمہ قرآن سے اخذ کر کے VOCUBOULARY OF THE QURAN کے نام سے تیار کر ڈالتا! توقع تھی کہ آفتاب سلمہٗ سے بڑی مدد اخذ و التقاط میں مل جائے گی، ان کی ہمت جواب دے گئی، مدد بالکل نہ مل سکی اور یہ خواب خواب ہی بن کر رہ گیا!"

اس اقتباس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے بالکل ابتدائی مسودہ یعنی الفاظ قرآن کی جمع و ترتیب تیار کر لیا تھا اور کہیں کہیں اپنے ہاتھ سے معانی بھی انگریزی میں لکھ دئے تھے لیکن محترم آفتاب صاحب (یہ عرفیت حکیم عبدالقوی دریابادی کی تھی۔ جو مولانا دریابادی کے

حقیقی بھتیجے اور داماد تھے۔ مولانا کی وفات کے بعد ان کے مشہور ہفتہ وار صدق جدید کے ایڈیٹر بھی رہے) کی ہمت جواب دے جانے سے ان کی بھی ہمت پیرانہ سالی کی وجہ سے بالکل ہی جواب دے گئی تھی کیونکہ اس وقت ان کی عمر ۸۵ سال کی ہو چکی تھی اور بصارت بالکل جواب دیتی جارہی تھی اور یہ خیال محض ایک آرزو بن کر رہ گیا کہ ۱۹۶۷ء کے بعد انہوں نے شاید مسودہ کو ہاتھ ہی نہ لگایا اور وہ اپنی ابتدائی شکل میں جوں کا توں ہی رہ گیا اور تفسیر و قرآنیات کے مسودات میں دب کر رہ گیا۔

جہاں تک اس کتاب کے نام کا تعلق ہے تو مسودہ کے ابتدائی صفحات پر اس کا نام مذکور نہیں ہے۔ اس کا نام پہلی مرتبہ حرف خاء کی شروعات پر ملتا ہے جہاں انہوں نے اپنے قلم سے لکھا ہے باب الخاء المعجمہ جلد سوم لغات القرآن۔

مسودہ کی ورق گردانی سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے ذہن میں محض ایک قرآنی لغت تیار کرنے کا خاکہ نہیں تھا بلکہ وہ اسے انسائیکلوپیڈیا کا درجہ دینا چاہتے تھے کہ انہوں نے اس بات کا التزام کیا ہے کہ ہر لفظ کا حوالہ دیا جائے اور اس بات کی وضاحت کی جائے کہ وہ لفظ مزید کہاں کہاں استعمال ہوا ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ وہ ایک لفظ جو متعدد جگہ استعمال ہوا ہے اس کے کوئی ایک مشترک معنی ذکر کرنے کے بجائے وہ اس لفظ کے مختلف معانی موقع و مناسبت کے اعتبار سے درج کرتے ہیں۔

مذکورہ بالا سطور سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ مولانا لغت قرآن کے متعلق کتنا اہم کام انجام دے رہے تھے لیکن شاید مشیت الٰہی اس کی تکمیل ان کے ہاتھوں سے نہیں چاہتی تھی اس لئے وہ نامکمل رہ گیا۔ لہٰذا اس کی تکمیل کی کوشش ہونی چاہئے تاکہ مولانا کی یہ اہم قرآنی کاوش سامنے آسکے جو یقیناً کتب لغات قرآن میں تفسیر ماجدی کی طرح امتیازی مقام حاصل

کر سکے گی۔

تکمیل کے ضمن میں مندرجہ ذیل امور کا خیال رکھا جائے تو مناسب ہوگا۔

۱۔ ہر لفظ کا حوالہ رکوع کے بجائے باعتبار آیت دیا جائے تاہم مولانا نے جو حوالے نقل کئے ہیں انہیں علیٰ حالہ برقرار رکھا جائے۔

۲۔ ہر لفظ کے معانی اردو اور انگریزی میں بیک وقت نقل کئے جائیں اور اس ضمن میں ان کی تفسیر سے فائدہ اٹھایا جائے کہ تفسیر میں انہوں نے جس لفظ کے جو معنی لکھے ہیں اسے وہاں سے نقل کرکے اس لفظ کے آگے بعینہ لکھ دیا جائے۔ جہاں کہیں کسی معنی کی تعیین میں دشواری محسوس ہو وہاں ترجمہ میں مذکور وہی لفظ لکھ دیا جائے اور اس کے مفہوم کی وضاحت تفسیر ماجدی کی روشنی میں حاشیہ میں کر دی جائے۔

اس طرح مولانا کی لغات القرآن کسی نہ کسی حد تک ان کے منصوبے کے مطابق سامنے آسکے گی اور یقیناً اس میدان میں ان کی تفسیر کی طرح ایک امتیازی حیثیت کی حامل ہوگی۔

معارف کی ڈاک

دارالمصنفین کی یاد

ڈربن - جنوبی افریقہ

۷؍ اپریل ۲۰۰۰ء

برادر مکرم مولانا ضیاء الدین اصلاحی صاحب حفظکم اللہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ آپ کی خیریت کے جاننے کا ایک بالواسطہ ذریعہ معارف ہے۔ آنا ضرور یقین دلانا چاہتا ہوں کہ آپ کی یاد برابر آتی ہے اور بار بار تقاضا رہتا ہے کہ خط لکھوں۔ آپ کی یاد سے غافل نہیں ہوں۔

(۱) حضرت مولانا علی میاںؒ کے حادثۂ وفات نے کئی اداروں کو متاثر کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ براہ راست اس حادثہ نے دارالمصنفین و ندوہ کو متاثر کیا ہے۔

نومبر ۱۹۹۹ء میں مولانا سے میری بات فون پر ہوئی تھی، ماشاء اللہ آواز مضبوط وصحت مند تھی مگر ضعف کی شکایت فرما رہے تھے اور مجھ سے تقاضا فرمایا کہ پابندی سے ان کو خط لکھوں اور جلد ندوہ اور دارالمصنفین کا سفر کروں کہ ان اداروں کا تم پر حق ہے اس کے بعد میں پاکستان چلا گیا وہیں ۳۱؍ دسمبر کو اس المناک حادثہ کی اطلاع ملی، مولانا رابع صاحب اور مولانا عبداللہ عباس صاحب کو کراچی سے ہی خط بھیج دیا۔ اس حادثہ کا دھڑکا تو لگا تھا مگر یہ حاشیہ خیال میں بھی نہ تھا کہ اتنی جلد یہ صدمہ اٹھانا ہوگا، مولانا کا علمی تنوع ہی طرۂ امتیاز تھا اور دنیاوی جاہ و مال سے استغنا کی صفت بہ صورت

کمال اللہ تعالیٰ نے ان کو ودیعت کی تھی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ آپ کو اور آپ کے رفقاء کو ہمت عطا کرے کہ دارالمصنفین کی اس امانت کو آپ حضرات ویسے ہی بہ حفاظت رواں دواں رکھیں جیسے مولاناؒ کی حیات میں مولانا کی سرپرستی میں یہ مقام حاصل تھا دارالمصنفین کی مجلس انتظامیہ کا صدر اب کون ہے[1]؟

(۲) میرے پاس والد ماجدؒ کی کئی ذاتی چیزیں ہیں جن کے بارے میں مجھے خیال تھا کہ میں ان کو دارالمصنفین کو منتقل کر دوں۔ ۱۹۹۶ء میں دارالمصنفین میں کئی تبرکات دیکھے تھے۔ اسی وقت سے میرے دل میں یہ خیال تھا کہ میرے پاس جو چیزیں محفوظ ہیں وہ بھی دارالمصنفین کو پیش کر دوں تاکہ وہ محفوظ ہو جائیں۔ ان میں سب سے زیادہ قیمتی چیز قرآن پاک کا وہ نسخہ ہے جس میں والد ماجدؒ تلاوت فرماتے تھے۔ مگر یہ نسخہ آپ کو فوراً نہیں دے سکتا کیونکہ میں اس پر کام کر رہا ہوں۔ اس نسخہ میں حاشیہ پر آیات پر ان کے توضیحی اشارات عربی میں اور کہیں کہیں اردو میں ہیں۔ انشاء اللہ جیسے ہی اس پر کام مکمل کر لوں گا دارالمصنفین کو یہ نسخہ پیش کر دوں گا اور جو مضمون یا کتاب تیار ہوگی وہ بھی ہندوستانی ایڈیشن کے لئے آپ کو پیش کر دوں گا، مضمون تو غالباً کئی قسطوں میں کرنا ہوگا۔ بہر حال دیکھئے کیا صورت ہوتی ہے۔

(۳) میں فکر میں ہوں کہ ہندوستان کا ایک سفر طویل مدت کے لئے کروں کشاکش غم نہاں سے فرصت کی تلاش ہے۔ جنوری تا اگست ۲۰۰۱ء کے لئے میں نے آکسفورڈ یونیورسٹی کے مرکز دراسات اسلامیہ سے وعدہ کر رکھا ہے۔ انشاء اللہ کوشش کروں گا کہ جلد ہی کوئی شکل سفر کی نکل سکے۔

---

[1] نواب مفخم جاہ بہادر حیدرآباد۔ مولانا علی میاںؒ مجلس عاملہ کے صدر تھے۔ "ض"

(۴) آپ حضرات کے ذہن میں تو ہوہی گا مگر کیا اچھا ہو کہ دارالمصنفین اور ندوہ دونوں مل کر مولانا علی میاںؒ کے شایان شان ایک تعزیتی اجتماع ندوہ میں کریں۔ اس تعزیتی اجتماع کا انتظام خاص پلاننگ چاہتا ہے۔ مولانا رابع صاحب اور مولانا عبداللہ عباس صاحب کو بھی اس سلسلہ میں لکھ رہا ہوں۔ آپ حضرات وہاں زیادہ بہتر فیصلہ کرسکتے ہیں۔

(۵) میرا پتہ بدل گیا ہے۔ نیا پتہ لکھ رہا ہوں۔ معارف بھی اسی نئے پتہ پر ارسال فرمائیں۔ یونیورسٹی کے پتہ پر تاخیر ہوتی ہے اور کبھی کبھی طویل چھٹی کی وجہ سے ڈاک بروقت نہیں ملتی۔

18 KINGS AVENUE
WEST VILLE-3630, KZN
SOUTH AFRICA
FAX: 27+31+2044160

فیکس کا نمبر احتیاطاً لکھ دیا ہے کہ شاید کبھی ضرورت پیش آجائے۔

اللہ تعالیٰ سے آپ کی صحت وحیات کی دعا کرتا ہوں اور مبارک باد بھی پیش کرتا ہوں کہ معارف کو آپ نے آب وتاب کے ساتھ زندہ رکھا ہے۔ جن حالات میں آپ حضرات کام کرتے ہیں وہ کئی پہلوؤں سے مشکل ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی آپ کو اور آپ کے رفقاء کو اس اخلاص ووفا شعاری کا انعام دے گا۔

والسلام مع الاکرام

محتاج دعا: سید سلمان ندوی

مطبوعات جدیدہ

تفہیم السنہ، کتاب التوحید، کتاب اتباع السنہ، کتاب الصلوٰۃ، کتاب الزکوٰۃ، کتاب الجہاد، از جناب محمد اقبال کیلانی، عمدہ کاغذ وطباعت، صفحات بالترتیب ۱۶۴، ۱۱۲، ۱۸۴، ۹۲، ۸۰، قیمت وقف للہ تعالیٰ، پتہ: ہارون الرشید کیلانی، ۲۹ شیش محل روڈ، لاہور اور اسلامک کمیونیکیشن ای/۶۸، جوہر ٹاؤن، لاہور۔

تفہیم السنہ کے عنوان سے زیر نظر سلسلہ مطبوعات میں توحید، اتباع سنت، نماز، زکوٰۃ اور جہاد کے متعلق صحیح اور حسن احادیث جمع کی گئی ہیں۔ ان رسالوں کا مقصد یہ ہے کہ مسائل کے حل میں صرف قرآن وسنت سے براہ راست رجوع واستفادہ کیا جائے اور جو مسائل اس معیار سے فروتر ہوں ان کو بلاتامل ترک کرنے کی عادت ڈالی جائے، ہمارے پیش نظر تفہیم السنہ کے ان رسالوں کے علاوہ قریب چھ اور موضوعات پر بھی اسی طرح کے رسائل شایع کئے جاچکے ہیں، لائق مرتب نے مختلف ابواب کے تحت ترتیب سے احادیث صحیحہ کا انتخاب کیا ہے، مثلاً کتاب الصلوٰۃ میں نیت سے سجدۂ شکر تک چالیس ابواب میں قریب پانچ سو حدیثیں یکجا کی گئی ہیں، مولف نے واضح کیا ہے مسائل کی ترتیب اور انتخاب روایات میں کسی خاص فقہی مسلک کی موافقت یا مخالفت مقصود نہیں، ہر رسالہ کے شروع میں متعلقہ موضوع پر جامع تبصرہ بھی کیا گیا ہے جس میں لہجے کی شائستگی اور جذبے کی دردمندی نمایاں ہے۔

تنقیدات مرتبہ پروفیسر نذیر احمد، متوسط تقطیع، بہترین کاغذ و کتابت و طباعت، مجلد مع گرد پوش، صفحات ۵۲۲، قیمت ۱۵۰ روپے، پتہ: غالب انسٹی ٹیوٹ، ایوان غالب مارگ، نئی دہلی ۲۔

دہلی کے غالب انسٹی ٹیوٹ کے علمی و تحقیقی مجلہ "غالب نامہ" کا قریب ہر شمارہ غالبیات سے متعلق بہترین مقالات و مضامین پر مشتمل ہوتا ہے۔ یہ بلند پایہ معیاری رسالہ ملک کے مشہور محقق اور فارسی ادبیات کے نامور فاضل پروفیسر نذیر احمد کے زیر ادارت عرصہ سے تسلسل کے ساتھ شایع ہو رہا ہے اس مجلہ میں شایع ہونے والے مقالات کی مستقل اہمیت و افادیت کی وجہ سے اس کو کتابی شکل میں شایع کرنے کا مناسب فیصلہ کیا گیا ہے۔ چنانچہ پیش نظر کتاب اسی انتخاب کی شکل میں ہے، قریب سوا پانچ سو صفحات کی اس جلد میں تینتیس ۳۳ مقالات شامل ہیں، ماہرین غالبیات کی ان گراں قدر تحریروں میں غالب کے طرفداروں کے علاوہ دیگر سخن فہموں کے لئے بھی سامان ذوق و سرمایۂ نشاط موجود ہے، فاضل مرتب نے ان مضامین کو جواہر پاروں سے تعبیر کرتے ہوئے لکھا کہ "یہ وقت کے انصراف کا نعم البدل ہوں گے، خط کشیدہ لفظ ظاہر بینوں کو کھٹکتا ہے۔

نوادر اقبال یورپ میں از جناب ڈاکٹر سعید اختر درانی، متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ و طباعت، مجلد صفحات ۲۲۰، قیمت ۱۲۰ روپے، پتہ: اقبال اکادمی ۱۱۶۔ میکلوڈ روڈ، لاہور۔

اس کتاب کے فاضل مصنف کے قلم سے قریب پندرہ سال پہلے ایک کتاب "اقبال یورپ میں" نکلی تھی، معلومات کی جدت و تازگی کے باعث اس کی خاصی پذیرائی ہوئی، پیش نظر کتاب گویا اسی سلسلے کی ایک اور کڑی ہے، جس میں خاص طور پر جرمنی

میں علامہ اقبال کے قیام، پی ایچ ڈی کی سند کے حصول اور زمانۂ تعلیم میں وہاں کی بعض شخصیتوں سے مراسم کی داستان کے چند نقوش بڑے دلچسپ انداز میں پیش کئے گئے ہیں، فاضل مصنف نے خود ان مقامات کی سیر کی جہاں سے علامہ اقبال کبھی آسان گزرے اور کبھی کھوئے گئے تھے، ان اشخاص کے اہل خاندان سے بھی ملاقات کی گئی جن سے علامہ مرحوم کا خاص تعلق تھا، نتیجے میں جو معلومات حاصل ہوئے وہ واقعی نوادر ہیں، ان کے علاوہ میونخ یونیورسٹی میں علامہ کے تعلق سے بعض اصل دستاویزات بھی فراہم ہوئے، ان سب کو بڑی خوبصورتی سے سجا کر پیش کیا گیا ہے۔ اقبالیات کے ذخیرے میں یہ عمدہ اضافہ ہے۔

نشور واحدی، شخصیت اور فن از جناب ڈاکٹر محمد ارشد خاں، متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ و کتابت و طباعت، مجلد مع گرد پوش، صفحات ۳۲۰، قیمت ۱۵۰ روپے، پتہ: نصرت پبلشرز، حیدری مارکیٹ، امین آباد لکھنؤ۔

خوش فکر و خوش گو اور خوش گلو شاعر کی حیثیت سے جناب نشور واحدی مرحوم نے بڑی شہرت و مقبولیت حاصل کی، ان کی غزلوں اور نظموں کے کئی مجموعے شایع ہوئے، نثر میں بھی انہوں نے کئی اچھے مضامین کے علاوہ دو کتابیں دانش آخر الزماں اور تاریخ فلسفہ خودی سپرد قلم کیں، وہ ایک صوفی منش اور مرنجاں مرنج انسان تھے، ان کی شاعری و شخصیت کے مفصل جائزے کی ضرورت تھی، خوشی ہے کہ اس فرض کی ادائیگی سات ابواب میں ان کے احوال اور ادبی خدمات کی اچھی مرقع آرائی کے ذریعہ کی گئی ہے، ضمیمے کے طور پر ان کے دو دلچسپ انٹرویو اور چند خطوط بھی دئے گئے ہیں ایک باب میں اردو کی جدید شاعری پر اجمالی تبصرہ ہے، لیکن محنت سے لکھا گیا ہے۔

شیئر بازار میں سرمایہ کاری از جناب ڈاکٹر عبد العظیم اصلاحی، متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ و طباعت، صفحات ۱۵۵، قیمت ۴۵ روپے، پتہ: ادارہ تحقیقات و تصنیف اسلامی، پان والی کوٹھی، دودھ پور، علی گڑھ۔

موجودہ دور مادیت میں جہاں گیری و جہاں بانی اور طاقت و سیاست کا سب سے موثر اور کارگر ذریعہ جدید نظام مالیات و اقتصادیات ہے، ملکوں اور قوموں کے استحصال اور غلبہ و تفوق کے حصول کی خواہش اور ہوس زرگری نے سرمایہ داری کے پیمانے ہی بدل کر رکھ دئے، اسلامی ماہرین معاشیات کے سامنے بھی اس سلسلے میں بعض نئے اور پیچیدہ مسائل ہیں جن سے عہدہ برآ ہونا ضروری بھی ہے اور دشوار بھی، اس کتاب کے فاضل مصنف کو فن معاشیات میں درجہ اختصاص حاصل ہے، ان کو احساس ہے کہ عصری نظام مالیات، اخلاق، دیانت اور راست روی کے بنیادی تصور سے بے نیاز ہی نہیں متصادم بھی ہے، اس لئے سرمایہ داری و سرمایہ کاری کے مظاہر سے قطع نظر اس کی سرشت کی کجی اور خامی کی وضاحت زیادہ ضروری ہے، اسی احساس کے تحت انہوں نے مسئلہ حصص کے مالہ و ماعلیہ کا بڑا جامع جائزہ لیا ہے اور گو کسی حتمی اظہار رائے سے گریز کیا ہے تاہم ان کے خیالات، اجتماعی غور و فکر اور فیصلے میں یقیناً معاون و کارآمد ہیں توقع ہے کہ علماء و اصحاب افتا میں کتاب کے مشمولات سے اعتنا کیا جائے گا۔

گلشن قلندریہ از جناب مولوی شاہ ظفر الیقین، متوسط تقطیع، کاغذ و کتابت و طباعت بہتر، مجلد مع گرد پوش، صفحات ۳۰۷، قیمت ۱۰۰ روپے، پتہ: حافظ صاحب، مدرسہ قادریہ قلندریہ شمسیہ، نزد آستانہ حضرت بنیادل قلندرؒ، جیل کے پیچھے شیخ پور، جونپور، یوپی۔

ہندوستان میں سلسلہ قلندریہ کے فیضان عام میں حضرت مخدوم قطب الدین بنیادل جونپوریؒ کی مساعی مبارکہ کا خاص دخل ہے، وہ اس سلسلہ عالیہ کے صدر نشین اور گل سرسبد تھے، ان کی اولاد امجاد میں حضرت شاہ فتح محمد قلندر کا نام خاص طور پر نمایاں ہے، ان کے اور سلسلے کے متعدد نامور بزرگوں کے سوانح و احوال کو اسی خانوادہ کے صالح و سعید فرزند نے سلیقے سے مرتب کر کے اپنے بزرگوں کی روحانی مسرت کا سامان کیا ہے، اس سے عام مسترشدین کو بھی فائدہ ہوگا، مصنف کو علم الانساب سے خاص دلچسپی ہے، چنانچہ انہوں نے خاندان قلندریہ کا مفصل شجرہ مرتب کر دیا، جس سے ان کی محنت و جاں فشانی کا اندازہ ہوتا ہے۔

دھنک لہجے کی از جناب غوث محمد غوثی، متوسط تقطیع، بہترین کاغذ و کتابت و طباعت، مجلد مع خوبصورت گرد پوش، صفحات ۱۲۸، قیمت ۴۰ روپے، پتہ: غوث محمد غوثی، سرائے رحمٰن، علی گڑھ۔

یہ خوبصورت مجموعہ کلام جدت طبع، پاکیزگی تخیل اور پختگی فن کا عمدہ نمونہ ہے، جناب غوثی کو شایان شان شہرت نہ ملی لیکن نامور اہل نقد و نظر ان کے معترف و مداح ہیں جس کا اندازہ ان کے پہلے مجموعہ اشعار "عکس آئینہ" کے متعلق آراء و خیالات سے ہوتا ہے، اب یہ دوسرا مجموعہ خوب تر کی مثال ہے۔ دو اشعار ملاحظہ ہوں۔

سر غرور پڑا تھا اسی کے قدموں پر — عجب تھا شمع سحر کا وہ آخری انداز

گلوئے خشک سے اور بھیک وہ بھی پانی کی — یہ تیغ کیسی ہے غوثی یہ تیر کیسا ہے

ع۔ص۔

تفسیر قرآن کے اصول از مولانا حمید الدین فراہیؒ، ترتیب و ترجمہ جناب خالد مسعود صاحب، متوسط تقطیع، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر، صفحات ۲۲۸، قیمت درج نہیں، پتے: (۱) ادارہ تدبر قرآن و حدیث، رحمان اسٹریٹ، مسلم روڈ، سمن آباد لاہور (۲) دار التذکیر رحمان مارکیٹ

غزنی اسٹریٹ، اردو بازار، لاہور۔

مفسرین نے قرآن مجید کی تفسیر و تاویل کے الگ اور مستقل اصول و ضوابط مدون نہیں کیے، البتہ کچھ اصول فقہ کے اصول کے ضمن میں شامل کیے ہیں لیکن اخلاق و عقائد میں ان کو نظر انداز کردیا ہے حالانکہ فقہ و شرائع کی طرح ان پر بھی دین کی بنا و انحصار ہے اور یہ تینوں امور ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں اور سب کے بارے میں قرآن مجید نے رہنمائی کی ہے، اصول تاویل منضبط نہ کیے جانے کی وجہ سے اکثر آیتوں کی توجیہ و تاویل میں متعدد وجوہ و اقوال اور مختلف احتمالات بیان کیے جاتے ہیں بلکہ بعض بعض آیتوں کی تاویلیں ایک دوسرے سے بالکل مختلف و متضاد بھی ہوتی ہیں۔ ترجمان القرآن مولانا حمید الدین فراہیؒ کو قرآن مجید میں مسلسل غور و فکر کے درمیان مفسرین اور اہل تاویل کی اس فرو گزاشت کا علم ہوا تو تاویل و تفسیر قرآن کے اصول مرتب کرنے کا مبارک خیال ان کے دل میں آیا، چنانچہ انہوں نے تفسیر نظام القرآن کے مقدمہ کے علاوہ ایک مستقل رسالہ اصول التاویل کے نام سے اس موضوع پر لکھا اور دلائل النظام اور اسالیب القرآن کے نام سے جو رسالے لکھے ان میں بھی زیر بحث مسئلے پر روشنی ڈالی، مولانا فراہیؒ کی عام تصنیفات کی طرح یہ سب رسائل بھی عربی میں تھے اور بجز فاتحہ نظام القرآن کے ابھی تک کسی اور کا اردو ترجمہ نہیں ہوا تھا، اہل علم اور قرآنیات کے شیدائیوں کو ادارہ تدبر قرآن و حدیث لاہور کے ناظم جناب خالد مسعود کا شکر گزار ہونا چاہیے کہ انہوں نے ان تمام رسالوں کے مواد کو مرتب و مربوط تصنیف کی شکل دے کر اس کا اردو ترجمہ شایع کیا ہے۔ گو اب بھی آتفصاب پوری طرح دور نہیں ہوا ہے تاہم اصول تفسیر کے اہم اصول و مبادی اور ان کی وضع و تدوین کی ضرورت، نظم کلام کی اہمیت، مرجح اور غلط اصول اور مزید گوناگوں ایسی باتیں سامنے آگئی ہیں جو دور ازکار اقوال مختلف وجوہ، احتمالات اور تفسیر بالرائے سے بچ کر صحیح نتائج اور قرآن مجید کی تعیین مراد اور اصل منشا تک پہنچانے میں نہایت کارآمد ہیں، قیمتی مباحث اور مفید قرآنی حقایق و معارف پر مشتمل ہونے کی وجہ سے یہ مجموعہ قرآن مجید کے طالب علموں کے مطالعہ میں ضرور آنا چاہیے۔

"ض"

تصانیف مولانا عبد السلام ندوی مرحوم

سوہ صحابہؓ: (حصہ اول) اس میں صحابہ کرامؓ کے عقائد، عبادات، اخلاق و معاشرت کی تصویر پیش کی ہے۔
قیمت ۵۰/ روپے

سوہ صحابہؓ: (حصہ دوم) اس میں صحابہ کرامؓ کے سیاسی، انتظامی اور علمی کارناموں کی تفصیل دی گئی
قیمت ۵۶/ روپے

سوہ صحابیاتؓ: اس میں صحابیات کے مذہبی، اخلاقی اور علمی کارناموں کو یکجا کردیا گیا ہے۔
قیمت ۲۰/ روپے

سیرت عمر بن عبد العزیز: اس میں حضرت عمر بن عبد العزیز کی مفصل سوانح اور ان کے تجدیدی
مون کا ذکر ہے۔
قیمت ۳۲/ روپے

ام رازی: امام فخر الدین رازی کے حالات زندگی اور ان کے نظریات و خیالات کی مفصل تشریح کی گئی
قیمت ۳۵/ روپے

حکمائے اسلام: (حصہ اول) اس میں یونانی فلسفہ کے مآخذ، مسلمانوں میں علوم عقلیہ کی اشاعت اور
یں صدی تک کے اکابر حکمائے اسلام کے حالات، علمی خدمات اور فلسفیانہ نظریات کی تفصیل ہے۔
قیمت ۵۰/ روپے

مائے اسلام: (حصہ دوم) متوسطین و متاخرین حکمائے اسلام کے حالات پر مشتمل ہے۔
قیمت ۳۰/ روپے

ر الہند: (حصہ اول) قدماء سے دور جدید تک کی اردو شاعری کے تغیر کی تفصیل اور ہر دور کے مشہور
کے کلام کا باہم موازنہ۔
قیمت ۹۲/ روپے

ر الہند: (حصہ دوم) اردو شاعری کے تمام اصناف غزل، قصیدہ مثنوی اور مرثیہ وغیرہ پر تاریخی و ادبی
سے تنقید کی گئی ہے۔
قیمت ۷۵/ روپے

بال کامل: ڈاکٹر اقبال کی مفصل سوانح اور ان کے فلسفیانہ و شاعرانہ کارناموں کی تفصیل کی گئی ہے۔
قیمت ۸۰/ روپے

یخ فقہ اسلامی: تاریخ التشریع الاسلامی کا ترجمہ جس میں فقہ اسلامی کے ہر دور کی خصوصیات ذکر
ہیں۔
قیمت ۱۲۵/ روپے

لاب الامم: سر تطور الامم کا انشاء پردازانہ ترجمہ۔
قیمت ۵۵/ روپے

لات عبد السلام: مولانا مرحوم کے اہم ادبی و تنقیدی مضامین کا مجموعہ۔
قیمت ۶۰/ روپے